1118

بچوں کا اسلام

اتوار ۹ رجب المرجب ۱۴۴۵ھ مطابق ۲۱ جنوری ۲۰۲۴ء

پاکستان کا سب سے زیادہ شائع ہونے والا بچوں کا مقبول ترین ہفت روزہ

طوفان الاقصیٰ

فیصلہ

قیمت: ۴۰ روپے

القرآن

قرآن، سراپا رحمت ہے!

لوگو تمھارے پاس تمھارے پروردگار کی طرف سے نصیحت اور دلوں کی بیماریوں کی شفا اور مومنوں کے لیے ہدایت اور رحمت آ پہنچی ہے۔ کہہ دو کہ (یہ کتاب) اللہ کے فضل اور اس کی مہربانی سے نازل ہوئی ہے تو چاہیے کہ لوگ اس سے خوش ہوں، یہ اس سے کہیں بہتر ہے جو وہ جمع کرتے ہیں۔ (سورۂ یونس، آیات: 58،57)

الحدیث

جماعت پر اللہ کی رحمت

حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کہتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے منبر مبارک پر ارشاد فرمایا: ''جو شخص قلیل نعمت پر شکر بجا نہیں لاتا وہ کثیر نعمت پر بھی شکر نہیں کرتا، جو لوگوں کا شکر ادا نہیں کرتا وہ اللہ کا شکر گزار بھی نہیں ہوسکتا، اللہ کی دی ہوئی نعمت کا اظہار، شکر ہے اور ترک اظہار ناشکری ہے، جماعت رحمت ہے جبکہ تفرقہ اور گروہ بندی عذاب ہے۔'' (صحیح بخاری ومسلم)

طوفان الاقصیٰ

دستک

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ !

آج سات جنوری ہے اور آج طوفان الاقصیٰ کو بپا ہوئے کامل تین ماہ ہو گئے ہیں۔

۷ اکتوبر سے شروع ہونے والا یہ معرکہ پوری شان سے اپنے اگلے اہداف تک بڑھ رہا ہے۔

دین وملت کے نام پر ہونے والے یہ معرکے ۱۹۸۷ء میں انتفاضہ اول کے نام سے چھوٹی موٹی جھڑپوں (جن میں پتھر اور غلیلوں کو بطور ہتھیار استعمال کیا جاتا) سے شروع ہوئے، اصل کھیل مگر ۲۰۰۵ء سے شروع ہوا جس کی حالیہ پانچویں قسط چل رہی ہے اور جس نے مدمقابل کے ہوش اڑا دیے ہیں۔

یوں تو برطانوی تسلط میں ۱۹۴۸ء میں اسرائیل کے غاصبانہ قیام کے ساتھ ہی پہلی جنگ ہوئی تھی جو ۱۹۶۷ء اور پھر ۱۹۷۳ء میں بھی دہرائی گئی مگر وہ جنگ قومیت بمقابلہ مذہب تھی۔

اُن جنگوں میں بنی اسرائیل کا مقابلہ مسلمانوں سے نہیں بلکہ عربوں سے تھا۔

سو جب دونوں طرف باطل ہی تھا تو اللہ ربّ العزت کی مدد کیسے شامل حال ہوتی؟

انتہائی شرمناک طریقے سے عرب یہ جنگ ہارے، اگرچہ وہ چار بڑے ملک تھے اور ان کے سامنے محض ایک پدا۔

لیکن ہزار ہا دعاؤں کے باوجود اللہ رب العزت کی بے نیاز ذات نے اسی پدے کو فتح دی۔

یقیناً اُس وقت عربوں کی ہار پر بہت آنکھیں روئی ہوں گی، بڑے آنسو بہے ہوں گے مگر سوچا جائے تو دراصل اس ہار پر اللہ تعالیٰ کا شکر واجب بنتا ہے......!

کیونکہ باطل اگرچہ دونوں طرف تھا، مگر سچی بات ہے کہ قومیت کا نعرہ باطل دین سے بڑا باطل ہے، سو اگر خدانخواستہ اس وقت عرب جیت جاتے تو یہ موجودہ آزمائش سے بہت بڑی آزمائش ہوتی۔ پوری قوم کا رخ غلط سمت میں ہو جاتا، کیونکہ تب دین کی جیت نہیں قومیت کی جیت ہوتی۔

بہر حال عامل باعمل مربی شیخ احمد یاسین شہید رحمہ اللہ تعالیٰ کی قبر کو اللہ تعالیٰ نور سے بھر دے کہ انھوں نے حرکۃ المقاومۃ الاسلامیہ یعنی حماس کی بنیاد رکھی۔

یہ فلسطینیوں کی پہلی تحریک تھی جو خالص اسلامی فکر پر کھڑی ہوئی۔

حماس ہی کا موقف عالم اسلام کے دلوں کا ترجمان موقف بنا کہ فلسطین کی ایک انچ زمین پر بھی صہیونیوں کا کوئی حق نہیں، ورنہ حماس کے علاوہ مسئلہ فلسطین کے دو ریاستی حل پر اتنے اونچے سروں پر بات ہوتی رہی ہے کہ ہم جیسے بھی کسی وقت میں اسے ہی واحد حل سمجھنے لگے تھے۔

خیر؛ حالیہ معرکہ اِس لحاظ سے بہت اہم ہے کہ یہ پہلی بار ہے کہ پہل حماس کی طرف سے ہوئی ہے، ورنہ اِس سے پچھلے چاروں معرکوں میں پہل بنی عزازیل کی طرف سے ہوتی رہی ہے۔

اِس پہل کی وجہ بھی آج تین ماہ بعد ہمیں بآسانی سمجھ میں آ رہی ہیں کہ یہ کوئی جلد بازی میں اٹھایا گیا جذباتی قدم ہرگز نہیں تھا بلکہ شاندار تیاری کے ساتھ کیا گیا ایڈونچر تھا۔

اتنی شاندار تیاری کے ساتھ کہ پوری دنیا کو اپنے اشاروں پر نچانے والا ''پدا'' حیران پریشان رہ گیا ہے اور بری طرح ذلیل و رسوا ہو رہا ہے۔

آج اخبار کی شہ سرخی ملاحظہ کیجیے:

''اسرائیل شکست کے دہانے پر!''

کیونکہ اصل شکست تبھی ہوتی ہے جب قلعے کے اندر دراڑیں پڑ جائیں، جب آپس میں پھوٹ پڑ جائے! اور اِس بار ہم دیکھ رہے ہیں کہ اسرائیلیوں کی اپنی حکومت میں پھوٹ پڑ گئی ہے۔ وللہ الحمد!

سو دوستو، بزرگو اور بچو!

آپ سب اپنی ہمہ گیر مصروفیات، مشاغل، گپ شپ اور کام دھندوں کے ساتھ ساتھ انھیں دعاؤں میں ضرور یاد رکھا کیجیے جو ہم آپ کی طرف سے فرضِ کفایہ ادا کر رہے ہیں۔

شاید یہی ہمارے کل کچھ کام آ جائے۔

اللہ تعالیٰ ہمارے دل میں اپنے ان شیروں کی محبت ڈال دے، ان کے نقش قدم پر چلنے والا بنا دے، ہمارے دلوں کو وہن کی ہولناک بیماری سے بچاتے ہوئے شہادت کی امنگ پیدا ہو جائے، آمین!

والسلام

محمد فیصل شہزاد

حافظ صہیب شبیر۔ کبیر والہ

یادگار سفر

میں فیصل آباد طبیہ کالج میں پیپر اور پریکٹیکل دے کر فارغ ہوا تو وقت کافی بیت چکا تھا۔ منزل کی مسافت اور مشکلات کا سوچ کر ذہن پریشان تھا۔ بھاگم بھاگ جی ٹی ایس اڈے پر پہنچا، نمازِ ظہر قصر ادا کی اور سڑک پر کھڑا ہو گیا تاکہ جاتی ہوئی کوئی بس مل جائے۔

ایک بس ہارن بجاتی بہت تیزی سے آئی۔ چلتے چلتے مسافروں کو بٹھایا اور روانہ ہو گئی۔ ہمیں بعد میں احساس ہوا کہ یہ تو لوکل بس ہے۔

ٹوبہ ٹیک سنگھ آ کر اس نے ہمیں ایک کھٹارا ہائی ایس کے سپرد کیا اور نکل گئی۔ رفتار و انداز اس کا بھی وہی بس والا تھا۔ میں مسافت کی درازی اور منزل پر پہنچ کر نہر کنارے ویران راستے کا سوچتا تو دل مزید پریشان ہو جاتا۔

بہت مشکل سے ہم مغرب کے وقت چیچہ وطنی پہنچے تو میں تنگ آ کر اتر گیا ورنہ ہائی ایس تو بورے والہ کی تھی۔

وہ نکل گئی تو مسافروں کا رش بڑھنے لگا لیکن کوئی سواری نہیں آ رہی تھی۔ معلوم ہوا رائیونڈ اجتماع ہے اور بسیں نہیں ہیں، پھر احساس ہوا کہ اتر کر غلطی کی ہے مگر کیا کرتا تیر کمان سے نکل چکا تھا۔

رش اتنا بڑھ گیا کہ اگر خالی بس بھی آتی تو بھر جاتی، مگر بس نہیں تھی۔ میں سوچتا وہاڑی تک تو امید ہے پہنچ جاؤں گا، پھر شاید ٹھینگی بھی پہنچ جاؤں مگر وہاں سے نہر کنارے آٹھ کلومیٹر سفر کے لیے کوئی سواری ملنا اب محال تھا۔

اسی پریشانی میں کھڑا تھا کہ میرے دیرینہ دوست قاری عبدالمالک خاکی صاحب کی کال آئی انھیں صورت حال سے آگاہ کیا تو فرمانے لگے، سورۂ قریش پڑھو۔

میں نے ’آتا ہے برے وقت میں بندے کو خدا یاد‘ کے مصداق سورۂ قریش پڑھنا شروع کی تو اچانک ایک بس نمودار ہوئی اور لوگ اس کی طرف دوڑ پڑے۔

کنڈیکٹر نے پہلے خواتین کو سوار کیا، پھر مرد سوار ہوئے اور جب میری باری آئی تو میں صرف دروازے پر ہی لٹک سکتا تھا۔

اچانک دل میں خیال آیا کہ اللہ تعالیٰ سے مانگنا اور پھر لٹک کر جانا......؟

سو میں سوار نہیں ہوا اور جاتی ہوئی بس کو حسرت بھری نظروں سے دیکھتا رہا۔

اب میں نے دوبارہ سورۂ قریش تلاوت شروع کر دی۔ ابھی چند لمحے ہی گزرے تھے کہ ایک خالی کیری ڈبہ آیا اور بورے والہ کی آواز لگائی۔

میں اس میں سوار ہوا، سیٹ پر بیٹھا، خدا کا شکر ادا کیا اور آگے کا سفر آسان ہونے کی دعا مانگنے لگا۔

خلافِ توقع گاڑی والا ہمیں وہاڑی لے آیا۔ یہاں بس اڈے پر موجود تھی مگر وہ تھوڑے سفر والے مسافر بٹھا نہیں رہے تھے۔ میں نے پھر پریشانی میں سورۂ قریش کی تلاوت شروع کر دی کہ اچانک میرے برادرِ نسبتی قاری ثناء اللہ ساجد کی کال آئی:

’’بھائی کہاں ہو......؟‘‘

میں نے صورتِ حال بتائی تو بولے: ’’میں یہیں شہر میں ہوں چند منٹ صبر کرو۔‘‘

تھوڑی ہی دیر بعد وہ بائیک پر وہاں پہنچے اور ہم ایک ساتھ روانہ ہو گئے۔

میں تو سوچ سوچ کر اتنا ہلکان ہو گیا تھا کہ باقاعدہ سر میں درد شروع ہو گیا تھا، مگر اللہ تعالیٰ نے ایسا سبب بنایا اور میں اس قدر آسانی سے گھر پہنچا جس کا میں اُس دن تصور بھی نہیں کر سکتا تھا۔

یہ سب اللہ تعالیٰ کے فضل خاص سے ہوا۔ اللہ تعالیٰ کے کلام اور قرآن مجید کی برکت سے ممکن ہوا، تو اب میرا معمول بن چکا ہے کہ جب بھی سفر پر نکلوں تو سورۂ قریش ضرور پڑھتا ہوں۔

آپ بھی سفر میں اس کا معمول بنا لیجیے، ان شاء اللہ تعالیٰ بہت آسانی ہوگی۔

☆☆☆

ترا نظارۂ قدرت جہاں میں ہر جگہ دیکھا!

خرم فاروق ضیاء

ترا نظارۂ قدرت جہاں میں ہر جگہ دیکھا
تجھے کون و مکاں میں چار سو جلوہ نما دیکھا
بلند بالا پہاڑوں سے تری عظمت سنی ہم نے
تری تحمید میں ذرّوں کو مصروفِ ثنا دیکھا
شجر کے سبز پتوں میں تری صورت نظر آئی
گلوں کے رنگ اور بُو میں تجھے مہکا ہوا دیکھا
ترے کُن سے نکلتا ہے یہ سورج روشنی لے کر
قمر کی چاندنی میں تیری ہستی کا پتا دیکھا
پرندے چہچہائیں تو تری تسبیح کرتے ہیں
بلوں میں چیونٹیوں کو بھی ترا نغمہ سرا دیکھا
چمکتے جگنوؤں نے تیری ضو سے روشنی پائی
ستاروں کو ترے دم سے دمکتا، پر ضیاء دیکھا
سکونِ قلب ملتا ہے ترا ہی نام لینے سے
کہ جس دل میں نہیں ہے تُو وہاں محشر بپا دیکھا
احاطہ کر نہیں سکتا ضیاء تیرے کرشموں کا
خرد والوں کو ہم نے تیری ہستی میں فنا دیکھا

خط کتابت کا پتا: دفتر روزنامہ اسلام، ناظم آباد، کراچی bkislam4u@gmail.com, 021 366 099 83

ادارہ روزنامہ اسلام کی تحریری اجازت کے بغیر بچوں کا اسلام کی کوئی تحریر کہیں شائع نہیں کی جا سکتی۔ بصورت دیگر ادارہ قانونی چارہ جوئی کرنے کا حق رکھتا ہے۔

سالانہ زرتعاون: اندرون ملک 2000 روپے بیرون ملک ایک میگزین 25000 روپے دو میگزین 28000 روپے انٹرنیٹ: www.dailyislam.pk

نوکری لگنے کے بعد آج پہلی بار مجھے اپنے کیے پر پچھتاوا ہو رہا تھا۔

’’پرنسپل صاحب کو بھی بس ہم ہی ملے تھے پورے کالج میں اس بارِ عظیم کو اٹھانے کے لیے؟‘‘

میں زیرِ لب بڑبڑایا۔’’اوروں کو بھی تو یہ ذمے داری سونپ سکتے تھے ناں!‘‘

’’لیکن نہیں، اس میں اُن کا کیا قصور؟ یہ کام تو ہم نے گویا خود ہی اپنے سر لیا تھا۔‘‘

مجھے یاد آیا تو میں نے سچے دل سے اعتراف کیا۔

بات دراصل یہ تھی کہ نیا نیا کالج بنا تھا۔ لائبریرین کی اسامی خالی پڑی تھی اور بچوں کی تعلیم کا حرج ہو رہا تھا، اس لیے ہم نے خود ہی پرنسپل صاحب سے درخواست کی تھی کہ ہماری صلاحیتیں حاضرِ خدمت ہیں۔

اور وہ تو جیسے نفلوں کے بھوکے بیٹھے تھے، جھٹ سے چابی تھما دی۔

مجھے روزانہ دو پیریڈ پڑھانا پڑتے تھے، پھر سارا دن تیری میری برائی، واہی تباہی اور لگائی بجھائی میں گزرتا تھا۔ لائبریری ملنے سے اچھی مصروفیت ہاتھ آ گئی۔ وہ جو کبھی سروس سے پہلے قوم کی خدمت کرنے کی دعائیں مانگی تھیں، شاید وہ قبول ہو گئی تھیں، مگر آج جو افسوس یا پریشانی تھی وہ یہ تھی کہ کچھ عرصہ قبل ایسوسی ایٹ پروفیسرز کی خالی آسامیوں کا اشتہار اخبار میں آیا تھا۔ لطف کی بات یہ تھی کہ اگرچہ میں لیکچرار تھا مگر مطلوبہ کوائف سب اپنے اندر موجود پاتا تھا جس کا صاف مطلب یہ بنتا تھا کہ اگر میں انٹرویو پاس کر لیتا تو براہِ راست سترہویں گریڈ سے انیسویں گریڈ میں چھلانگ لگا سکتا تھا۔ یعنی اٹھارہویں گریڈ کا منہ ہی نہ دیکھنا پڑتا۔

مذکورہ آسامیاں صوبہ بھر میں محض ۱۲ تھیں۔ سینکڑوں امیدواروں میں سے صرف ۴۵ بندوں کو شارٹ لسٹ کر کے انٹرویو کے لیے بلایا جا رہا تھا جن میں سے ایک خوش نصیب میں بھی تھا۔ جوں جوں انٹرویو کی تاریخ قریب آ رہی تھی، ووں ووں میری پریشانی بڑھتی جا رہی تھی کہ تیاری کچھ خاص نہ تھی۔ روزانہ کتابوں کا ڈھیر لگا کر بیٹھ جاتا مگر تھوڑی ہی دیر میں تھکن کے ہاتھوں مجبور ہو کر نیند کی حسین وادیوں کی سیر کو نکل جاتا۔

یہ کاہلی کچھ اس باعث بھی در آتی کہ صبح لائبریری میں یکسوئی سے مطالعہ کر لوں گا مگر وہاں طلبہ جان کو آئے رہتے۔

سو یہ پریشانی لاحق تھی کہ کروں تو کروں کیا؟ لائبریری سے اب کیسے جان چھڑاؤں؟ کچھ بھی ہو جائے انٹرویو تو ضرور دینا تھا! بالآخر مجھے ایک ترکیب سوجھی جس نے میری آنکھوں میں چمک پیدا کر دی۔

☆☆

میں لائبریری میں بیٹھا کن اکھیوں سے لڑکوں کو طرح طرح کے منہ بنا کر واپس جاتے دیکھ رہا تھا۔ لائبریری کے باہر آویزاں بورڈ پر لکھا تھا ’’اہم نوٹس۔ لائبریری میں خاموشی سے مطالعہ کریں‘‘ نیچے ’’بحکم پرنسپل صاحب‘‘ لکھا تھا، اب وہ جو یہاں خوب آزادی سے بات چیت کرنے آتے تھے خفا ہونے لگے، مگر کر تو کچھ بھی نہیں سکتے تھے۔ خیر کچھ بھی ہو ترکیب کارگر ثابت ہوئی وگرنہ تو ہو جاتی پھر تیاری......!

انٹرویو میں جب دو دن باقی رہ گئے تو جی میں آیا کہ کیوں نہ بڑی مسجد کے مولانا صاحب سے اپنے حق میں دعا کروالی جائے۔ سنا ہے دعاؤں سے بلا ٹلتی، تقدیر بدلتی ہے، چنانچہ گھڑی کی چوتھائی میں بندۂ ناچیز مولانا صاحب کے سامنے دست بستہ کھڑا تھا۔ میری عرضی سن کر فرمانے لگے:

’’دعا تو میں ضرور کروں گا لیکن یہ ذہن میں رکھنا کہ اگر انٹرویو پاس نہ بھی کر سکو تو محنت مت چھوڑنا۔ اسی جذبے اور خلوص سے بچوں کی خدمت و تربیت کرتے رہنا۔ خاص طور پر یہ جان کر تو بے حد خوشی ہوئی کہ آپ نے لائبریری کی ایک پوری الماری ختم نبوت پر مبنی کتابوں سے نہ صرف سجائی ہے بلکہ روزانہ کی بنیاد پر طلبہ کو انھیں پڑھنے کی ترغیب بھی دیتے رہتے ہیں، چنانچہ بے لوث یہ خدمت کرتے رہنا، نیکی کسی صورت اکارت نہیں جاتی۔‘‘

میں پلٹا تو من ہی من میں ان سے شاکی تھا کہ کیا چلا جاتا ان کے پلے سے اگر ڈھارس بندھا دیتے، دعا کر دیتے یا کرا دیتے، سیکنڈ آپشن ضرور بتانا تھا!؟

ارے دعا تو مانگی ہی سارے آپشنوں کو پس پشت ڈال کر جاتی ہے۔ انھوں نے نجانے کیوں میرے سامنے وعظ و نصیحت کے پلندے کھول کر رکھ دیے۔

خیر! میں ایک بار پھر لائبریری میں کتابیں لیے بیٹھا تھا۔ نوکری سے قبل جس طرح دل لگا کر پڑھا تھا، اس کی دہرائی میں مزا آ رہا تھا۔ وگرنہ تو کئی برس سے انٹر کے نصاب تک محدود ہو کر رہ گیا تھا۔ خارجی مطالعے کا تو گویا ذوق ہی ختم ہو چلا تھا۔

ایک دن میں لائبریری میں بیٹھا تھا کہ میں نے دیکھا کہ کمرے کے جنوبی روشن دان پر کسی نادان چڑیا نے گھونسلہ بنالیا تھا۔ اس پگلی کو یہ شعور بھی نہ تھا کہ گرمیوں میں لامحالہ اس روشن دان نے کھلنا ہے اور جب یہ کھلے گا تو چڑیا کا خس وخاشاک سے بنا گھر ہوا ہو جائے گا لیکن اتنی سمجھ ان لاشعوروں کے پاس ہوتی تو آدم زاد نہ ہو جاتیں پھر......!

اس نے یہ گھر کب بنایا؟ نہیں معلوم۔ اب چونکہ مجھے کئی روز سے لائبریری میں قید رہنا پڑ رہا تھا اس لیے نہ صرف چڑیا، اس کے گھونسلے اور گھونسلے میں موجود دو ننٹ کھٹ بچے، مکڑیوں کے جالے اور ان میں رہنے والی عنکبوت، سب سے واقفیت ہوگئی تھی۔ میں اندر آتا تو چڑیا اندر آجاتی، باہر جاتا تو باہر نکل جاتی۔

اگلے دن انٹرویو تھا اور میں مشرقی معاشرے کی عکاسی کرتے ہوئے کام پڑنے پر دائرہ اسلام میں مکمل طور پر داخل ہو چکا تھا! جی ہاں! میرا دل بے حد رقیق ہو چکا تھا۔

کالج آنے سے پہلے، اڈے پر گیا اور آخری گاڑی جس نے رات کو پشاور جانا تھا، کی سیٹ بک کروائی اور راستے میں کھڑے ہر بھکاری کو اپنی کمزور جیب سے نوازا۔

لائبریری آیا تو دیکھا کہ چڑیا اپنے بچوں کے پاس بیٹھی ہے۔ بے ساختہ یہ سوچ کر دل بھر آیا کہ آئندہ دو روز اِس بے چاری کے ساتھ کیا ہوگا؟ جبکہ میں تو پشاور رہوں گا۔

یہ اور اس کے بچے تو بھوک سے مر ہی جائیں گے، اگر پورے اڑتالیس گھنٹے کواڑ بند رہے تو سو میں نے ایک پیالے میں پانی رکھا جبکہ ایک پیالے میں کچھ باجرہ اور کچھ گیہوں کے دانے ڈال دیے تا کہ وہ دو دن کمرے میں رہتے ہوئے اپنا پیٹ بھر سکیں مگر یہ کیا جونہی میں دروازے کو تالا لگانے لگا تو وہ پھر رسے اڑ کر باہر آگئی۔

”اف مالک اب کیا ہوگا؟“

میرے پاس اتنا وقت نہیں تھا جو اس کی واپسی کا انتظار کرتا، اور رہی لائبریری تو اسے بھی کھلا نہیں چھوڑ سکتا تھا۔

دل ڈر رہا تھا کہ کہیں اِن بے زبانوں کو پہنچنے والی تکلیف میری راہ کا پتھر نہ بن جائے۔

خیر کافی دیر انتظار کیا مگر وہ ڈھیٹ چڑیا اندر نہ آئی اور میں بالآخر لائبریری کو لاک کر آیا۔

انٹرویو میری سوچ سے بھی بڑھ کر اچھا ثابت ہوا۔ جو کچھ مجھ سے پوچھا گیا، فر فر جواب دیا۔ ذرا بھی ہچکچاہٹ محسوس نہ ہوئی۔ پوچھا گیا، آپ نے ریختہ میں پی ایچ ڈی کی ہے؟

جواب دیا: ”جی ہاں! آج ریختہ میں پی ایچ ڈی کر کے خود شکست و ریخت سے امن میں آگیا ہوں۔“

بولے کہ شاعری سے بھی دلچسپی ہے؟

بتایا: یہ کیسے ممکن ہے کہ اردو سے وابستگی ہو اور بندہ شاعری میں دلچسپی نہ لے۔

پوچھا: پسندیدہ شاعر؟ بتایا: ہر ایک اپنی جگہ اہم ہے۔

کہنے لگے: پھر بھی؟ ہم نے کہا سبھی۔

بولے: اچھا پسندیدہ شعر؟

صحابہ اور تابعین کے ایمان افروز اور انوکھے واقعات جاننے کے لیے دو بہترین کتابیں

صحابہ کے واقعات

- 75 کامیاب ہستیوں کا خوبصورت تذکرہ
- واقعات سے حاصل شدہ قیمتی فوائد و نصائح پر مشتمل
- دین سے محبت اور عمل کا شوق ابھارنے میں معاون

صرف 810/-

تابعین کے واقعات

- 32 خوش نصیب ہستیوں کا ایمان افروز تذکرہ
- قیمتی فوائد و نصائح پر مشتمل
- اسکول و مدارس کے نصابی تقاضوں سے ہم آہنگ

صرف 652/-

آئیں! مل کر کتاب دوستی کو فروغ دیں اور اس پیغام کو عام کریں۔

مستند مجموعۂ وظائف

اب موبائل ایپلی کیشن میں بھی دستیاب ہے۔

GET IT ON Google Play

بیتُ العلم

کراچی فون: 021-32726509 ، موبائل: 0309-2228089

لاہور فون: 042-37112356

Visit us: www.mbi.com.pk maktababaitulilm

تو ترنم سے کوخواجہ میر دردؔ کے یہ اشعار سنا دیے:

آیا نہ اعتدال پہ ہر گز مزاجِ دہر
میں گرچہ گرم و سرد زمانہ سمو گیا
اے دردؔ! جس کی آنکھ کھلی اِس جہان میں
شبنم کی طرح، جان کو اپنی وہ رو گیا

داد دیے بغیر نہ رہ سکے، پھر کچھ توقف کے بعد چہکے:

''عشق ومحبت کی بابت کیا کہیں گے؟''

جواب دیا:''صورت سے ہو تو ہوس، دولت سے ہو تو حرص، دنیا سے ہو تو دل کی موت، وطن سے ہو تو ایمان، ماں باپ سے ہو تو جنت، پیشے سے ہو تو خدمت، حق تعالیٰ سے ہو تو عبادت اور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ہو تو راہِ نجات۔''

میرا جواب سن کر مسکرانے لگے اور بولے:

''اور وہ جو کسی نے کہا ہے کہ خلل ہے دماغ کا......!''

میں بولا:''اس کے دماغ کا ہوگا۔''

اس پر زوردار قہقہہ لگایا، آخر میں کہنے لگے:

''اگر آپ سلیکٹ ہو گئے تو کیا کھلاؤ گے؟''

عرض کیا:''ڈیرہ اسماعیل خان کی بھی ملتان کی طرح چار سوغات ہیں، لیکن گرد، گدا، گرما اور گورستان نہیں بلکہ کلاچی کے خربوزے، ڈھکی کی کھجور، سوہن حلوہ اور ثوبت......!

ان میں سے جو آپ چاہیں!''

کہنے لگے:''بخدا! تم نے سوچ میں ڈال دیا۔''

واپسی پر دل بہت مطمئن تھا۔ انٹرویو جو اتنا اچھا ہوا تھا۔ اگلی صبح لائبریری کھولی تو دانے جوں کے توں پڑے تھے اور پیالہ بھی، اور چڑیا! وہ بڑے پن سے اپنے دونوں نھنوں کو اپنے پروں میں سمیٹے شان سے بیٹھی تھی۔

میں شدید حیران رہ گیا کہ الٰہی ماجرا کیا ہے؟ روشن دان، کھڑکی اور کواڑ سب ہی بند تھے۔ یہ تو باہر رہ گئی تھی اندر کیسے آئی؟ دانے پانی بھی ویسے ہی دھرے ہیں، خیر اگلے چند روز تک یہ معما حل نہ ہو سکا اور میری حیرت بدستور باقی تھی۔

ایک روز میں لان میں بیٹھا تھا کہ چڑیا کہیں سے آئی۔ اِدھر اُدھر دیکھا اور پروں کو سمیٹ کر لائبریری کے بند دروازے ہی میں بنے ایک بہت چھوٹے سے سوراخ میں سے بآسانی اندر داخل ہوگئی۔

یہ منظر دیکھ کر مجھ پر عجیب سی کیفیت طاری ہوگئی۔ بچپن میں کہیں پڑھا تھا کہ موت اور رزق ساتھ ساتھ چلتے ہیں۔ جس طرح موت انسان کو تلاش کرتی رہتی ہے، بعینہٖ رزق بھی اسی طرح انسان کو ڈھونڈ رہا ہوتا ہے۔

جنابِ مرتضیٰؓ سے کسی نے پوچھا کہ اگر کسی کو ایک ایسے کمرے میں بند کر دیا جائے جس میں نہ روشن دان ہو اور نہ ہی کوئی کھڑکی اور نہ ہی کوئی دوسرا سوراخ وغیرہ، سوائے ایک دروازے کے اور وہ دروازہ بھی باہر سے بند کر کے تالا لگا دیا جا چکا ہو تو اس کی روزی کس طرح اندر جائے گی؟

مسکرا کر فرمانے لگے:''جس ذریعے سے اس کی موت اندر جائے گی اسی ذریعے سے اس کی روزی بھی اندر پہنچ جائے گی۔''

یہ بات برس ہا برس کے بعد بھی سمجھ میں نہیں آئی تھی مگر آج اس چھوٹے سے منظر نے سمجھا دی۔

چند روز بعد پتا چلا کہ میں انٹرویو میں پندرہویں نمبر پر آیا ہوں۔ محکمہ کی طرف سے ستائشی خط بھی آیا ہے اور محنت جاری رکھنے کی نصیحت بھی کی گئی۔

دل وقتی طور پر آزردہ ہوا مگر جلد ہی بڑی مسجد کے مولانا صاحب کی باتیں یاد آگئیں۔

''بے لوث یہ خدمت کرتے رہنا، نیکی کسی صورت اکارت نہیں جاتی۔''

☆☆☆

آسان علمِ دین کورس | بسم اللہ | سبق نمبر ۸

وضو

محمد اسامہ سرسری

آیتِ کریمہ:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا قُمْتُمْ اِلَى الصَّلٰوةِ فَاغْسِلُوْا وُجُوْهَكُمْ وَاَيْدِيَكُمْ اِلَى الْمَرَافِقِ وَامْسَحُوْا بِرُءُوْسِكُمْ وَاَرْجُلَكُمْ اِلَى الْكَعْبَيْنِ ۞

مفہوم: اے ایمان والو! جب تم نماز کے لیے اٹھو تو اپنے چہرے، اور کہنیوں تک اپنے ہاتھ دھولو، اور اپنے سروں کا مسح کرو، اور اپنے پاؤں (بھی) ٹخنوں تک (دھولیا کرو)۔ (سورۂ مائدہ)

حدیثِ مبارکہ:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مبارک ارشاد ہے:

إِنَّ أُمَّتِي يُدْعَوْنَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ غُرًّا مُحَجَّلِينَ مِنْ آثَارِ الْوُضُوءِ، فَمَنِ اسْتَطَاعَ مِنْكُمْ أَنْ يُطِيلَ غُرَّتَهُ فَلْيَفْعَلْ.

مفہوم: میری امت کے لوگ وضو کے نشانات کی وجہ سے قیامت کے دن سفید پیشانی اور سفید ہاتھ پاؤں والوں کی شکل میں بلائے جائیں گے۔ تو تم میں سے جو کوئی اپنی چمک بڑھانا چاہتا ہے تو وہ بڑھالے (یعنی وضو اچھی طرح کرے)۔ (صحیح بخاری)

مسنون دعا:

اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِيْ ذَنْبِيْ وَوَسِّعْ لِيْ فِيْ دَارِيْ وَبَارِكْ لِيْ فِيْ رِزْقِيْ۔

فضیلت: اس دعا میں مغفرت، وسیع گھر اور رزق کی برکت سب کچھ مانگنا سکھایا گیا ہے۔ (عمل الیوم واللیلۃ للنسائی)

فقہی مسئلہ:

وضو میں چار فرض ہیں:

1۔ چہرے کو ایک بار دھونا۔ 2۔ دونوں ہاتھ ایک بار کہنیوں سمیت دھونا۔ 3۔ سر کے چوتھائی حصے کا مسح کرنا۔ 4۔ دونوں پاؤں ٹخنوں سمیت ایک بار دھونا۔

تین وضاحتیں:

(1) وضو میں کوئی چیز واجب نہیں۔ (2) دھونا تب شمار ہوگا جب کم از کم دو چار قطرے ٹپک جائیں۔ (3) بال برابر بھی کوئی جگہ خشک رہ گئی تو وضو نہیں ہوگا۔ (الفتاوی الھندیۃ)

☆☆☆

شرارت

عمار خلیل۔ اسلام آباد

اسکول کا زمانہ تھا۔ ہم چند لڑکے اکٹھے اسکول جایا کرتے تھے۔ ایک دن معمول کے مطابق اسکول گئے۔ گھر واپسی پر ہمیں سڑک پار کرنی تھی۔ ہم قطار بنائے انتظار میں کھڑے تھے کہ گاڑیوں کی لمبی قطار ذرا دَم لے تو ہم سڑک پار کریں۔

میں اپنے ساتھیوں سے ذرا کچھ ہٹ کے کھڑا تھا۔

شاید میرے ایک ساتھی کو میرا ہٹ کر کھڑا ہونا نہ بھایا تو اس نے شرارت میں مجھے دھکا دے مارا۔ بس اس کے بعد کیا ہونا تھا، میں اچھل کر ایک کار سے ٹکرایا اور پھر کچھ فاصلے پر لگے ایک بیریئر سے جا لگا۔

جب میں اٹھا تو مجھے دنیا اپنے گرد طواف کرتے دکھائی دی۔

کچھ دیر بعد مجھے یہ محسوس ہوا کہ میں کسی کی آغوش میں ہوں۔ آنکھیں کھولتے ہی میں نے دیکھا کہ ایک باجی نے مجھے گود میں لیا ہوا ہے اور کوئی کہہ رہا تھا کہ اس کو اسپتال لے چلتے ہیں۔ یہ آواز میرے کان میں پڑنا تھی کہ میں جیسے ہوش میں آ گیا اور میرے رونگٹے کھڑے ہو گئے۔ حادثے کی چوٹیں مجھے بھول گئیں اور میں آناً فاناً ان باجی کی گود سے کود کر اپنے ساتھیوں کے جمگھٹے کو چیرتا ہوا بھاگ نکلا۔

بعد میں معلوم ہوا کہ میرے اس بھاگ نکلنے پر کئی لمحات تک تو باجی اور میرے ساتھیوں سمیت سب تماشائی ہکا بکا رہ گئے تھے۔

میں نے پھر پیچھے مڑ کر دیکھنے کی زحمت نہ کی اور یوں بھاگا جیسے چور چوری کر کے بھاگتا ہے۔ میری رفتار کا یہ عالم تھا کہ میں نے گھر پہنچنے تک کسی ساتھی کو اپنے قریب بھی نہ پھٹکنے دیا جو مجھے بھاگتے دیکھ کر میرے پیچھے دوڑ پڑے تھے۔

گھر کی دہلیز پر پہنچتے ہی میں نے چیخ کر ایک تاریخی جملہ کہا:

”امی! رونا نہیں۔“

کیونکہ میں اپنی والدہ کو جانتا تھا کہ وہ میری یہ حالت دیکھ کر برداشت نہیں کر پائیں گی، اور وہی ہوا جس کا ڈر تھا۔ امی نے مجھے دیکھتے ہی مجھ سے بھی زوردار چیخ سے میرا استقبال کیا۔

ساتھ کمرے میں موجود میرے والد صاحب دوڑے چلے آئے، مجھے دیکھا تو میری طرف لپکے۔ امی جان تو روتی رہیں مگر ابو جان تحمل مزاجی سے کام لیتے ہوئے میری پٹیاں کرنے میں مصروف ہو گئے۔

اتنے میں میرے ساتھیوں کی مائیں بھی آ گئیں اور میرے گرد جمع ہو گئیں۔

انھیں دیکھ کر میں ایک دفعہ پھر گھبراہٹ کا شکار ہو گیا اور دل چاہا کہ امی کی گود سے بھی چھلانگ مار کر بھاگ جاؤں۔

لیکن مسئلہ یہ تھا کہ اب بھاگ کے جاتا تو کہاں جاتا!

خیر سالہا سال سے لمبی چھٹی کرنے کی خواہش حادثے کی صورت میں پایۂ تکمیل تک پہنچی، اور ہاں!

اس دھکا دینے والے دوست کا حال نہ پوچھیے کہ پھر کیا ہوا......!

☆☆☆

نہیں بھولنا چاہیے!

مولانا محمد اشرف۔ حاصل پور

ایک بادشاہ کے پاس دس جنگلی وحشی خونخوار کتے تھے۔ کسی غلام کو غلطی کرنے پر وہ بے رحمی سے اسے اپنے کتوں کے سامنے ڈال دیتا تھا۔

ایک بار ایک غلام نے کسی مشورے پر کچھ ایسی بات کہہ دی جو بادشاہ کو بالکل پسند نہ آئی۔ چنانچہ اس نے حکم دیا کہ اس کو کتوں کے سامنے پھینک دیا جائے۔

غلام نے کہا:

”میں نے دس سال تک آپ کی خدمت کی ہے، آپ براہِ کرم مجھے ان کتوں کے سامنے پھینکنے سے پہلے دس دن کی مہلت دے دیں، میرے کچھ بہت ضروری کام ہیں۔“

بادشاہ راضی ہو گیا۔

اب وہ نوکر ان کتوں کی دیکھ بھال کرنے والے کے پاس گیا اور اس سے کہا کہ وہ اگلے دس دنوں تک کتوں کی خدمت کرنا چاہتا ہے۔

وہ حیران تو ہو گیا لیکن اس مفت کی خدمت پر راضی ہو گیا۔

اب اس دن سے اگلے دس دنوں تک وہ نوکر کتوں کی خدمت کرنے لگا۔ انھیں کھانا کھلاتا، انھیں نہلاتا، غرض ہر طرح کی خبر گیری کرتا۔

جب دس دن پورے ہوئے تو بادشاہ نے حکم دیا کہ اس نوکر کو اس کی سزا کے لیے کتوں کے پاس پھینک دیا جائے۔

جب نوکر کو بھوکے کتوں کے سامنے ڈالا گیا تو سب یہ دیکھ کر حیران رہ گئے کہ وہ وحشی کتے بھوک کے باوجود اس کے پاؤں چاٹنے لگے۔

بادشاہ جو یہ سب دیکھ رہا تھا، حیران ہو کر بولا: ”یہ کتوں کو کیا ہوا ہے؟“

نوکر نے جواب دیا: ”دراصل میں نے ان کتوں کی دس دن خدمت کی ہے، وہ میری خدمت نہیں بھولے ہیں جبکہ میں نے دس سال آپ کی خدمت کی اور میری پہلی چھوٹی سی غلطی پر آپ سب بھول گئے۔“

بادشاہ کو اپنی غلطی کا احساس ہوا اور اسے آزاد کر دیا۔

اس حکایت سے ہمیں یہ سبق ملا کہ کسی کی ایک غلطی کی وجہ سے اس کی اچھائیوں کو کبھی بھولنا نہیں چاہیے، انسان بہرحال کتوں سے تو اشرف ہی ہے۔

☆☆☆

اڑنے والے مینڈک

جاوا میں ایک خاص قسم کے مینڈک پائے جاتے ہیں جنھیں اڑنے والے مینڈک کہا جاتا ہے۔ ان کے پر نہیں ہوتے بلکہ یہ اپنے پیروں کی مدد سے اڑتے ہیں۔ ان کے پیروں کی چار انگلیوں کے درمیان ایک جھلی ہوتی ہے جو کھل کر اڑنے میں مدد دیتی ہے۔ ان کے پر ان کے جسم سے تین گنے بڑے ہوتے ہیں۔ (مرسلہ: بختیار۔ لیہ)

کچرا گھر

عائشہ تنویر

اس کی گردن کسی شکنجے میں پھنسی ہوئی تھی۔ دَم گھٹ رہا تھا اور سینے پر دباؤ بڑھتا ہی چلا جا رہا تھا۔ اُس نے بے چینی سے اِدھر اُدھر سر مارا، ہاتھ پاؤں چلائے اور پھر ایک دم اس کی آنکھ کھل گئی۔

وہ اپنے کمرے میں بستر پر لیٹا ہوا تھا۔ گھپ اندھیرے میں اسے محض سرخ چمکتی، گھورتی آنکھوں سے اندازہ ہوا کہ اس کے اوپر سیاہ بڑا سا بلا یا اِس قسم کی کوئی مخلوق بیٹھی ہے۔

گو کہ وہ بہت جی دار تھا لیکن وہ سرخ آنکھیں اور ان سے نکلتی غصے کی چنگاریاں اسے یکدم بری طرح خوفزدہ کر گئیں۔ وہ بری طرح کانپ اٹھا۔

پہلے تو اس کی گھگھی ہی بندھ گئی، پھر وہ ایک جھٹکے سے اٹھ بیٹھا:

''کک کون ہو تم؟ دور ہٹو......!''

وہ بے ساختہ چلایا تھا۔

جب تک اُس نے کمرے میں روشنی کی، وہ سیاہ جانور جست لگا کر غائب ہو چکا تھا۔

اس کا سانس دھونکنی کی طرح چل رہا تھا۔

چند لمحے وہ یونہی بیٹھا رہا۔ اس کا پورا بدن ابھی تک لرز رہا تھا، پھر وہ اٹھ کر سامنے لگے آئینے کے سامنے جا کھڑا ہوا۔

گردن پر سیاہ نشان نمایاں تھے۔ حیرت سے اُن نشانات پر ہاتھ پھیرتے ہوئے وہ بے اختیار کراہ اٹھا۔ درد کی شدید لہر اٹھی تھی۔

دانت پر دانت جما کر منہ بھینچ کر درد برداشت کرتے ہوئے اب اُس نے کمرے میں اس جانور کی تلاش میں نظر دوڑائی جو اپنی جسامت، وزن و ہیئت سے تو کچھ اور ہی لگتا تھا لیکن اس کے اندازے کے مطابق وہ ایک بلا ہونا چاہیے تھا۔

چھت پر بنے اس ایک کمرے کے پورشن میں وہ اکیلا ہی رہتا تھا، سو خیال ہوا کہ شاید شام میں کہیں آ کر وہ بلا یہاں چھپ گیا ہوگا۔ اب اندھیرے میں حملہ کر دیا۔ کچھ دیر کی تلاش کے بعد اسے اے سی کی خنکی کے باوجود پسینہ آنے لگا۔ الماری کے اوپر، بیڈ کے نیچے، صوفے کے پیچھے ہر جگہ اسے ڈھونڈتے ڈھونڈتے وہ چکرا گیا تھا۔

کمرے کا واحد دروازہ اور کھڑکیاں بند تھے تو آخر وہ بلا گیا کہاں؟

اس کا ہاتھ بے اختیار گردن تک گیا۔ وہاں موجود تکلیف دہ سیاہ نشان اس بات کے غماز تھے کہ وہ خواب نہیں دیکھ رہا تھا۔

تو کیا وہ یہیں کہیں تھا؟ اگر تھا تو اسے کیوں نظر نہیں آ رہا تھا؟

خیالات کی ایک یلغار تھی، جس سے پریشان ہو کر وہ واپس بستر پر لیٹ گیا تھا۔

''میں بہت بہادر ہوں، کسی سے نہیں ڈرتا۔''

دل ہی دل میں خود کو تسلی دیتے اسے اچانک صبح کا واقعہ یاد آ گیا۔

☆......☆

وہ اپنے دوست کے انتظار میں گھر سے باہر کھڑا تھا کہ نیچے رہنے والے مالک مکان کی والدہ باہر نکلیں۔ اُن کے ہاتھ میں ایک شاپر تھا جس سے بدبو اٹھ رہی تھی۔

اسے دیکھ کر وہ اس کی طرف آئیں اور شفقت بھرے لہجے میں بولیں:

''بیٹا! کہیں جا رہے ہو؟ اگر زحمت نہ ہو تو یہ کچرا ڈرم میں ڈال جانا، آج جمعدار نہیں آیا تو ایسے ہی گھر میں سڑاند پھیلتی رہے گی۔''

اس سے پہلے کہ وہ کوئی بہانہ کرتا، اس کا دوست بھی آ گیا اور بائیک روک کے اسے منتظر نظروں سے دیکھنے لگا، سو اس نے مجبوراً وہ شاپر خاتون سے لیا اور کراہت کے ساتھ برے برے منہ بناتے ہوئے اپنے دوست کے پیچھے آ بیٹھا۔

دوست نے بائیک بھگاتے ہوئے پوچھا: ''یہ کیا خزانہ اٹھا رکھا ہے دوست؟''

''کچرا اور کیا۔'' اس نے بیزاری سے کہا۔

بائیک گلی کے نکڑ تک پہنچ چکی تھی، اس نے بائیک پر بیٹھے بیٹھے شاپر اچھال دیا۔

شاپر زن سے ہوا میں اڑا اور کچرے کے بڑے ڈرم کے بجائے پیچھے خالی پلاٹ کی طرف جا گرا۔

سمیر نے ایک دَم بریک لگایا۔

''جاؤ اسے ڈرم میں ڈالو۔''

''کیا مسئلہ ہے یار۔''

وہ جھنجھلایا لیکن اس کا اٹل انداز دیکھ کر مجبوراً اترا۔

پلاٹ کے اختتام پر ایک چیری بلاسم کا درخت تھا، جو سفید رنگ کے خوبصورت پھولوں سے لدا ہوتا۔ باقی پلاٹ بھی غیر متوقع طور پر کافی صاف ستھرا تھا۔ سوائے اِس ڈرم کے جو دو، چار دن بعد یونین والے خالی کر جاتے تھے۔

شہر سے دور بنی اس نئی آبادی میں مافوق الفطرت مخلوقات کی افواہیں پھیلی ہوئی تھیں، خاص طور پر یہ پلاٹ اور درخت تو لوگوں کے خیال میں پکا جنات کی رہائش گاہ تھا۔

اسے مگر جنات پر یقین نہ تھا، سو اطمینان سے اتر کر اندر گیا اور پاؤں مار کر شاپر کو ڈرم کی طرف اچھالا۔

اندازے کی غلطی ہوئی اور لمحوں میں شاپر پھٹ کر سارا کچرا اچھل گیا۔

وہ سب چھوڑ چھاڑ کر آ گیا۔

''چل بھئی نکل، اب میں سمیٹنے والا نہیں ہوں۔'' وہ پیچھے بیٹھتے ہوئے بولا۔

''پڑھے لکھے جاہل ہو تم، بری حرکتیں خود کر کے پھر ہر بات کا ذمے دار حکومت کو ٹھہرانے والے۔'' سمیر نے غصے سے اسے دیکھا اور بائیک اسٹارٹ کر دی۔

''اے سنو!''

اچانک ایک آواز آئی تو اس نے گردن موڑی۔

پیچھے ایک لمبا تڑنگا سا آدمی کھڑا تھا۔

خدا جانے وہ اس سنسان سڑک پر اچانک کہاں سے نمودار ہوا تھا۔ اس کی آنکھیں سرخ چمکتی ہوئی گول گول تھیں۔ بدن پر قدیم طرز کا سفید رنگ کا لبادہ تھا جس میں ملبوس وہ مزید پراسرار سا دکھائی دے رہا تھا۔

''اٹھاؤ اسے، صاف کرو سب۔''

اس نے حکمیہ لہجے میں گوہر کو کہا۔

''جی...... وہ ابھی یونین والوں کا جمعدار آ کر کر دے گا۔''

ایک عجیب احساس اس کے رگ و پے میں دوڑا تھا جس کے زیر اثر گوہر نے اس کی آنکھوں میں دیکھنے سے احتراز کرتے ہوئے شائستگی سے جواب دیا تھا۔

اس کا اتنا دھیما لہجہ سمیر کے لیے غیر متوقع تھا۔

اس نے گردن موڑ کر پیچھے دیکھا اور پتا نہیں کیا ہوا کہ یکدم بائیک پوری رفتار سے بھگا دی۔ گوہر پیچھے الٹتے الٹتے بچا تھا۔

اپنے پیچھے انھیں اس آدمی کے قہقہوں کی آواز آ رہی تھی۔

☆......☆

دونوں دوستوں نے اس بات کا تذکرہ کسی سے تو درکنار آپس میں بھی نہیں کیا تھا لیکن اب گول گول چمکتی سرخ آنکھوں والے اس سیاہ جانور نے گوہر کی نیند اڑا کر اسے صبح کا واقعہ یاد دلا دیا تھا۔

کتنی دیر وہ ایسے ہی ایک کروٹ لیٹا رہا۔ ذرا ملتے بھی ڈر لگ رہا تھا کہ پیچھے کوئی ہے اور بالآخرا سے نیند نے آ لیا۔

اس کی آنکھ کھلی تو دوپہر ہو چکی تھی۔

وہ منہ ہاتھ دھو کر کمرے سے نکلا اور برآمدے سے ملحقہ باورچی خانے میں چائے بنانے لگا۔ سامنے صحن چمکتی دھوپ سے بھرا ہوا تھا۔ چائے کے گھونٹ بھرتے ہوئے وہ رات والے واقعے کو سوچنے لگا۔ سب کچھ بہت غیر متوقع تھا۔

اور اسی وقت اچانک اس کے کمرے سے کرسی گھسیٹنے، الماری کھلنے اور چیزیں گرنے کی آوازیں آنے لگیں۔

وہ گھبرا کر کمرے کی طرف دوڑا۔

کیا دیکھتا ہے کہ اس کی الماری کھلی ہوئی ہے اور سارا سامان بکھرا ہوا ہے۔ بستر کی چادر تک کھینچ دی گئی تھی۔ کمرا کسی میدان جنگ کا نقشہ پیش کر رہا تھا۔

اس نے جلدی سے کمرے سے باہر نکل کر دروازے کی طرف دیکھا تو یہ دیکھ کر لرز گیا کہ وہی عجیب سے حلیے اور نین نقش والا آدمی طنزیہ انداز میں مسکراتا ہوا اسے دیکھ رہا تھا پھر وہ پلٹا اور سیڑھیوں کی طرف بڑھ گیا۔

چند لمحے ششدر رہ جانے کے بعد وہ اس کے پیچھے لپکا لیکن خالی سیڑھیاں اس کا منہ چڑا رہی تھیں۔ وہ غائب ہو چکا تھا۔

وہ پلٹ کر کمرے کی طرف آیا۔ اللہ جانے وہ کب اور کیسے کمرے میں آیا تھا کہ وہ اسے دیکھ نہیں سکا۔ کمرے کا یہ حشر شاید اسے سبق سکھانے کے لیے کیا گیا تھا۔ یقیناً اِن سب واقعات کا اس کچرا پھینکنے سے تعلق تھا۔

کمرے پر نظر دوڑاتے ہوئے اس نے چائے کا گھونٹ بھرا ہی تھا کہ بے اختیار ایک فوارہ سا اس کے منہ سے نکلا۔

کپ میں گرم مزیدار چائے کی جگہ گندا، بدبودار اور انتہائی بد ذائقہ مشروب بھرا ہوا تھا۔

وہ بے اختیار کپ پھینکتا پیچھے ہٹا تھا۔

پے در پے واقعات نے اسے بوکھلا کر رکھ دیا تھا۔ وہ گھر سے باہر کی طرف لپکا، اُس وقت اسے کسی کی مدد کی ضرورت تھی۔ تیزی سے سیڑھیاں اترتے ہوئے اس نے دروازہ کھولنے کی کوشش کی لیکن وہ جام تھا۔ لاک کھولنے، کنڈی کھولنے کے بعد پوری قوت سے دھکا لگا کر بھی دیکھ لیا لیکن دروازہ نہ کھلا۔

وہ اپنے ہی گھر میں مقید ہو گیا تھا۔ نیچے والوں کا راستہ بالکل الگ تھا۔ اس کا دل تیزی سے دھڑکنے لگا۔ باہر نکلنے کا کوئی راستہ نہ پا کر وہ ناچار واپس اوپر آیا۔ اردگرد کے دونوں گھر بہت بلند تھے۔

اسے اپنے موبائل فون کا خیال آیا جو وہ صبح باورچی خانے میں جاتے ہوئے ساتھ لے گیا تھا۔ وہ باروچی خانے کی طرف لپکا تھا۔ ابھی اس نے سیل فون کی طرف ہاتھ بڑھایا ہی تھا کہ اسے بجلی کا جھٹکا سا لگا۔ سیل فون اس سے دور ہو گیا تھا۔

اب تو وہ باقاعدہ رونے لگا اور منت بھرے لہجے میں بولا: ''کون ہو تم؟ کیوں مجھے ستا رہے ہو؟ اللہ کے واسطے مجھے تنگ نہ کرو، میں وہ سارا کچرا صاف کر دوں گا، ابھی۔''

چلے ہیں گھر سے لے کر ایک مقصد

رؤف خیر

جدھر دیکھو اُدھر بستے ہی بستے
کھلے کیا مدرسے، ہیں بند رستے

اسکوٹر، آٹو، کاروں میں بچے
سبھی گلیوں میں بازاروں میں بچے

اٹھائے پیٹھ اور کندھے پہ بستے
وہ دیکھو جا رہے ہیں گھر سے بچے

سبھی اسکول کی جانب رواں ہیں
رواں کالج کی جانب نوجواں ہیں

جنھیں پڑھنا ہے جو کچھ پڑھ رہے ہیں
قدم منزل بہ منزل بڑھ رہے ہیں

کشادہ علم و فن کے راستے ہیں
مزے سارے انھی کے واسطے ہیں

سفر کے بیچ تھک جانا نہیں ہے
کہیں رستہ بھٹک جانا نہیں ہے

چلے ہیں گھر سے لے کر ایک مقصد
یقیناً پار کر لیں گے وہ ہر حد

☆☆☆

ان الفاظ کے ادا ہوتے ہی اس کا فون ہلنا بند ہوگیا۔

اس نے ڈرتے ڈرتے ہاتھ بڑھا کر موبائل ہاتھ میں لیا۔

پھر اسے اپنے پیچھے جاتے قدموں کی چاپ سنائی دی مگر اس کی بالکل ہمت نہ ہوئی کہ وہ پلٹ کر پیچھے دیکھتا۔

تھوڑی دیر بعد دروازہ کھلنے کی آواز آئی تھی، پھر خواس باختہ سا سمیر اندر آیا تھا۔

''تُو ٹھیک تو ہے نا یار! کیا ہوا؟''

مجھے چھوڑ، تُو بتا، سب ٹھیک ہے؟''

اس نے اس سے پوچھا، کیونکہ کل کچرا پھینکتے وقت وہ تو اس کے ساتھ تھا۔

''میں تو ٹھیک ہوں یار! ابھی کسی نے تیرا پیغام دیا تو بھاگا چلا آیا۔ ویسے حیرت انگیز طور پر میری بائیک ٹوٹی پڑی ہے۔ اللہ جانے رات کو کیسے گھر کے اندر کھڑی کھڑی گر کر ٹوٹ پھوٹ گئی۔''

سمیر کا لہجہ پریشان تھا۔

''یہ سب اُس منحوس کچرے کی وجہ سے ہوا ہے۔''

گوہر نے سمیر کو سارا قصہ کہہ سنایا۔

''تو اب؟''

سمیر نے سہم کر پوچھا تھا۔

''اب کیا؟ چل صفائی کرنے۔''

سمیر کو دیکھ کر گوہر کی جان میں جان آ گئی تھی۔ کچھ اطمینان بھی ہوگیا تھا کہ اس کی التجا سن کر اسے معاف کر دیا گیا ہے۔

تھوڑی دیر بعد کالونی والوں نے دیکھا کہ گوہر اور سمیر تندہی سے پورے پلاٹ کی صفائی کر رہے تھے۔

☆☆☆

95

(خصوصی طور پر بچوں کا اسلام کے نوعمر قارئین کے لیے سہل اور عام فہم انداز میں تلخیص کیا گیا!)

معجزہ

اختر حسین عزمی

فجر سے کچھ دیر پہلے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی چچازاد بہن اُمِ ہانی کو جگایا۔ جب سب نماز فجر ادا کر چکے تو فرمایا:

''اے اُم ہانیؓ! کل عشاء کی نماز میں نے تمھارے ساتھ اس وادی میں ادا کی، بعد ازاں میں مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک گیا۔ وہاں میں نے نماز ادا کی اور اب میں نے نماز فجر تمھارے ساتھ ادا کی ہے جیسا کہ تم دیکھ رہی ہو۔''

یہ حیران کن بات سن کر حضرت اُم ہانی رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے عرض کیا:

''آپ یہ بات لوگوں سے نہ کہیے گا، ورنہ وہ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو جھوٹا کہیں گے اور آپ کا مذاق اڑائیں گے۔'' ام ہانی نے اپنی تشویش کا اظہار کیا۔

''خدا کی قسم میں انھیں ضرور بتاؤں گا۔'' اللہ کے نبیؐ نے پُرعزم لہجے میں کہا۔

اس وقت سینہ نبویؐ سے نور کی ایک شعاع چمکی جس سے اُم ہانی کی آنکھیں خیرہ ہوگئیں اور وہ بے اختیار سجدے میں گر گئیں۔

جب سجدے سے سر اٹھایا تو دیکھا کہ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف لے جا چکے ہیں۔

اُم ہانی نے اپنی باندی کو بلایا اور کہا: ''اے نبعہ! تم حضورؐ کے پیچھے جاؤ اور دیکھو کہ حضورؐ کیا فرماتے ہیں اور لوگ کیا جواب دیتے ہیں؟''

نبعہ جب حرم میں پہنچی تو دیکھا کہ حضور بیت اللہ کے دروازے اور حجر اسود کے درمیان بیٹھے ہیں۔ یوں الگ تھلگ بیٹھے دیکھ کر ابوجہل ان کے پاس آیا اور بیٹھتے ہی ازراہِ مذاق کہنے لگا: ''کوئی نئی خبر ہے؟''

''ہاں!'' اللہ کے رسولؐ نے کہا۔

''وہ کیا؟''

''آج رات مجھے ایک دُور کے مقام پر لے جایا گیا۔''

''کہاں؟''

''بیت المقدس۔''

''پھر آپ صبح ہوتے ہی ہمارے پاس بھی پہنچ گئے؟''

''ہاں۔''

''اگر میں لوگوں کو بلالوں تو ان کے سامنے بھی یہ بات کہو گے؟''

''بالکل کہوں گا۔''

ابوجہل نے اس وقت آپ کو جھٹلایا نہیں، مبادا قوم کے سامنے آپ اپنی بات سے انکار کر دیں۔

پہلے اس نے اتنے انوکھے واقعے پر دوسروں کو گواہ بنانا ضروری سمجھا، چنانچہ اس نے بلند آواز سے صحن حرم کے مجلس نشینوں کو آواز دی: ''اے بنوکعب بن لوئ کے لوگو! ادھر آؤ!''

اس کی یہ آواز سن کر لوگ اپنی مجلسوں سے اُٹھ کر ان کے گرد جمع ہو گئے۔ اب ابوجہل نے آپ کو مخاطب کیا:

''اپنی قوم کو وہ بات بتائیں جو مجھے بتائی تھی۔''

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وہی بات من وعن فرما دی۔

یہ سن کر بعض نے تعجب سے اپنے ہاتھ اپنے سروں پر رکھ لیے اور کچھ تالیاں بجانے لگے۔ دشمنوں نے بغلیں بجانا شروع کر دیں کہ اب ان کے لیے محمدؐ بن عبداللہ کے مذاق اور تمسخر کا جواز فراہم ہوگیا ہے۔ اس لیے کہ قریش کا ہر آدمی جانتا تھا کہ مکے سے بیت المقدس آنے جانے میں مہینہ سے بھی زیادہ لگ جاتا ہے جبکہ محمد یہ کہتا ہے کہ وہ ایک ہی رات میں گیا بھی، اور واپس بھی آ گیا۔ ہے نا انہونی بات؟ کیسے کوئی یقین کرے گا، ہم نہ کہتے تھے کہ اس کے دماغ میں کوئی فتور ہے (نعوذ باللہ)!

☆☆

تصدیقِ صدیق:

''اب تمھارا کیا خیال ہے، اپنے دوست کے بارے میں؟''

قریش کے کچھ لوگوں نے حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو گھیر لیا۔

''وہ ہم سے کہتے ہیں کہ گزشتہ رات وہ بیت المقدس گئے، وہاں انھوں نے نماز ادا کی اور مکہ واپس آ گئے''۔

''تم لوگ جھوٹ گھڑ رہے ہو۔''

حضرت ابوبکرؓ ان کی بات پر یقین کرنے کے لیے تیار نہ تھے لیکن جب انھوں نے یقین دلایا کہ محمد اس وقت مسجد حرام میں موجود ہیں اور اپنے سفر کا چرچا خود کر رہے ہیں تو یہ سن کر کہا:

''اگر وہ ایسا کہتے ہیں تو یہ بات حق ہی ہوگی۔''

''اے ابوبکرؓ! کیا تم اتنی بڑی اور انہونی بات کی تصدیق کرتے ہو کہ وہ آج رات بیت المقدس گئے اور صبح سے پہلے واپس بھی آ گئے؟''

''ہاں میں تو اس سے بھی بڑی بات کی تصدیق کرتا ہوں کہ صبح شام ان کے پاس آسمان سے وحی آتی ہے۔''

بعد ازاں ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ مسجد حرام گئے تا کہ اللہ کے نبی سے اس واقعے کی تحقیق و توثیق کریں۔

پیغمبرِ اسلام کے گرد لوگوں کا ہجوم اب بھی بدستور قائم تھا۔

اچانک مطعم بن عدی کی آواز بلند ہوئی:

اے محمدؐ! آج تک جو باتیں آپ کرتے تھے، وہ عام فہم تھیں لیکن جو بات آج آپؐ نے کہی ہے، اس نے تو ہمیں ہلا کر رکھ دیا ہے۔ ہم کیسے یہ باور کر لیں کہ جس مسافت کے طے کرنے میں جاتے ہوئے ہمارا ایک مہینہ اور واپس آتے ہوئے بھی ایک مہینہ لگتا ہے، آپؐ نے اسے رات کے قلیل عرصے میں طے کر لیا۔ لات و عزیٰ کی قسم! ہم آپؐ کی یہ بات ماننے کے لیے ہرگز تیار نہیں۔''

مطعم کا یہ ترش رویہ دیکھ کر ابوبکر صدیق نے کہا:

''اے مطعم! اپنے بھتیجے کے ساتھ جو گفتگو تم نے کی ہے وہ از حد ناپسندیدہ ہے، تم نے ان کا دل دُکھایا اور انھیں جھٹلایا ہے جنھوں نے کبھی جھوٹ نہیں بولا۔ غور سے سنو! میں ان کی تصدیق کرتا ہوں اور یہ اعلان کرتا ہوں کہ انھوں نے جو فرمایا ہے، وہ حق ہے۔''

اب مشرکین نے پیغمبرِ اسلام سے طرح طرح کے سوال پوچھنا شروع کر دیے تا کہ وہ انہیں کسی طرح جھٹلانے میں کامیاب ہو سکیں۔

وہ جانتے تھے کہ محمدؐ بن عبداللہ اس سے پہلے بیت المقدس کبھی نہیں گئے تھے جبکہ مجلس میں کئی ایسے لوگ تھے جنھوں نے مسجدِ اقصیٰ دیکھی ہوئی تھی۔ انھوں نے پوچھا: مسجدِ اقصیٰ کے دروازے کتنے ہیں اور کس کس سمت میں ہیں؟، کھڑکیوں کی تعداد کتنی ہے؟ محراب کہاں ہے؟ محراب کی وضع قطع کیسی ہے؟

سوالات کی بھرمار تھی۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے سوالوں کے جواب دینا شروع کیے۔

آپ کی نظروں سے درمیانی حجابات اٹھا دیے گئے تھے اور مسجدِ اقصیٰ آپ کو ایسے دکھائی دینے لگی جیسے دارِ عقیل بن ابوطالب قریب تھا۔

رسولِ اکرمؐ اسے دیکھ دیکھ کر سوالوں کے جواب دیتے جا رہے تھے۔

ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیت المقدس کو دیکھا ہوا تھا، اس لیے ان کے ہر جواب پر ابوبکرؓ بلند آواز سے پکارتے:

''اشھد انک رسول اللہ''

ابوبکرؓ کی یہ مسلسل تصدیق دیکھ کر حضورؐ نے فرمایا:

یاابابکر ان اللہ تعالیٰ سمّاک الصدیق!

''اے ابوبکر! اللہ تعالیٰ نے تمھارا نام صدیق رکھ دیا ہے۔'' (جاری ہے)

تو نے ٹھیک کہا!

ایک دیہاتی نے پوچھا:

''اے اللہ کے رسول! قیامت کے دن مخلوق کا حساب کون لے گا؟''

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ لیں گے۔''

دیہاتی نے پھر کہا: ''کیا اللہ خود لیں گے۔''

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''ہاں بذاتِ خود لیں گے۔''

یہ سن کر دیہاتی ہنسنے لگا۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس سے پوچھا: ''تم ہنس کس لیے رہے ہو۔''

جواب میں اس نے عرض کیا:

''اے اللہ کے رسول! کریم جب کسی پر قابو پا لیتا ہے تو ہمیشہ قصور معاف کر دیتا ہے۔ جب حساب لیتا ہے تو ڈھیل دیتا ہے۔ سختی کے بجائے، نرمی اور آسانی سے کام لیتا ہے۔ اس لیے میں خوشی سے ہنس رہا ہوں۔''

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کی بات سن کر فرمایا:

''اے اعرابی! تو نے ٹھیک کہا، حق تعالیٰ سے زیادہ کوئی کریم نہیں ہو سکتا۔''

پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''یہ اعرابی تو اچھا بھلا فقیہہ معلوم ہوتا ہے۔''

خلیل احمد۔ احمد پور شرقیہ

۲۵ آپ کتنے پانی میں ہیں؟

درج ذیل سوالات کے جوابات سوچیے، پھر انھیں ایک کاغذ پر لکھ کر رکھ لیں۔ اگلے ہفتے کے شمارے میں جوابات شائع ہوں گے تو اس سے اپنے جوابات ملا لیجیے۔

آپ کو بخوبی اندازہ ہو جائے گا کہ آپ کتنے پانی میں ہیں!

(۱) قرآن کریم کی کس سورت کو 'عروس القرآن' کہا جاتا ہے۔

(۲) حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے کس صحابی کو ذوالاذنین کہہ کر پکارتے تھے؟

(۳) عثمانی سلطنت کے آخری خلیفہ کا نام کیا تھا؟

(۴) اردو مثل ''اوکھلی میں سر دیا تو دھمکوں سے کیا ڈر'' سے کیا مراد ہے؟

(۵) آواز کا سفر ہوا میں تیز ہوتا ہے یا پانی میں؟

☆☆☆

غلطی سے ایجاد ہونے والی کچھ اشیا

انتخاب: دل پذیر خان۔ کوئٹہ

اس مضمون میں غلطی سے ایجاد ہونے والی کچھ ایسی اشیاء کا ذکر کیا جا رہا ہے جو اب بہت معروف ہیں:

۱۔ کارن فلیکس:

کارن فلیکس کی ایجاد حادثاتی طور پر ۱۸۹۴ء میں ہوئی تھی۔ اس کے موجد کا نام کیٹ کیلوج تھا جو ایک اسپتال میں مریضوں کو کھانا دینے کی ڈیوٹی پر معمور تھا۔ ایک دن اس نے مریضوں کو کھانا دینے کے لیے گندم کو ابالا مگر کسی ضروری کام کے سبب اس ابلی ہوئی گندم کو دھوپ ہی میں چھوڑ کر چلا گیا۔

جب واپس آیا تو اس گندم کا رنگ دھوپ کی وجہ سے بدل چکا تھا مگر چونکہ مریضوں کو کھانا دینے کا وقت ہو چکا تھا، لہٰذا اس نے مجبوراً وہی گندم بیک کر کے اس پر دودھ ڈال کر مریضوں کو دے دیا۔ ہوا یوں کہ اس دن کھانے کا ذائقہ مریضوں کو بہت پسند آیا۔ بعد میں اس نے یہی تجربہ مکئی کے دانوں کے ساتھ کیا اور اس طرح کارن فلیکس کی ایجاد ہوئی جو اکثر ناشتے میں استعمال کیا جاتا ہے۔

۲۔ مائیکروویو اوون:

اس کی ایجاد دوسری جنگ عظیم کے بعد پرسی اسپنسر نے ایک حادثاتی دریافت کے بعد کی۔ پرسی اسپنسر دوسری جنگ عظیم میں ریڈار کے پاس ڈیوٹی کر رہا تھا۔ وہاں اس نے ڈیوٹی کے دوران محسوس کیا کہ جب وہ ریڈار کے قریب تھا تو اس کی جیب میں موجود کینڈی پگھل گئی۔ جب کہ اس کے جسم پر اس گرمی کا کوئی اثر نہیں پڑا۔ اس نے یہ تجربہ کھانے کی بہت ساری اشیاء پر کیا تو اسے اندازہ ہوا کہ ریڈار سے ایسی شعاعیں نکل رہی ہیں جو کھانے کو گرم کر دیتی ہیں۔ اس طرح دوسری جنگ عظیم کے خاتمے کے بعد پرسی نے ان شعاعوں پر کام کر کے مائیکروویو اوون کی ایجاد کی۔

۳۔ آئس کریم کون:

آئسکریم کی ایجاد تو بہت پہلے ہو چکی تھی مگر کون کی ایجاد ۱۹۰۴ء میں ایک میلے کے دوران میں حادثاتی طور پر ہوئی۔ اس میلے میں ایک آئس کریم والے نے اپنا اسٹال لگایا تھا۔ اس کی آئسکریم بہت بک رہی تھی۔ وہ ایک چھوٹی پلیٹ میں رکھ کر خریدنے والوں کو آئسکریم دے رہا تھا۔ رش کی وجہ سے اس کی وہ پلیٹیں ختم ہوگئیں جس میں وہ آئسکریم دے رہا تھا جبکہ لوگوں کا رش جاری تھا۔ اس وقت اس کے ساتھ ویفرز کے اسٹال والے ارنسٹ ہنگری نے جس کے اسٹال پر بالکل رش نہیں تھا، اپنے پڑوسی آئسکریم والے کی مدد کے لیے اپنے ویفرز کو کون کی شکل میں موڑ کر اس کو پیش کیا کہ پلیٹ کے بجائے اس میں آئس کریم ڈال کر دے۔ لوگوں کو یہ آئیڈیا اور ذائقہ اتنا پسند آیا کہ اس کے بعد آئسکریم کے ساتھ کون لازمی ہوگئی۔

۴۔ کوکا کولا:

کوکا کولا کی ایجاد ۱۸۸۶ء میں جان پیمبرٹن نے کی، جو پیشے کے اعتبار سے ایک فارمسٹ تھا۔ وہ سر درد کی ایک دوا پر تحقیق کر رہا تھا۔ اس کے لیے اس نے کوکا کے پودے کے پتے اور بیج استعمال کیے تھے۔ ان کو پینے پر اس میں پانی شامل کیا جانا تھا مگر اس کے بجائے اُس نے اس میں غلطی سے سوڈا شامل کر دیا جس کا ذائقہ سب کو بہت پسند آیا، اور اس طرح کوکا کولا وجود میں آ گئی۔ یاد رہے کوکا کولا تو ایک عالمی برینڈ نام ہے، ورنہ یہ سوڈے والا سیاہ مشروب اب ہمارے ملک میں بھی بنتا ہے۔ اس کے پینے کے کئی نقصانات ہیں اس لیے اس سے بچوں کو خصوصی طور پر بچنا چاہیے۔ کبھی کبھار اگر پئیں بھی تو ملکی مشروب کو ترجیح دیں۔

۵۔ آلو کے چپس:

آلو کے چپس کی ایجاد کی کہانی بہت دلچسپ ہے۔ اس کے موجد کا نام جارج کرمب تھا جو کہ ایک ہوٹل میں باورچی تھا۔ اس کے ریسٹورنٹ میں روزانہ ایک گاہک آتا تھا اور فرنچ فرائز کھاتا تھا۔ ایک دن جب اس کے سامنے فرنچ فرائز پیش کیے گئے تو اس نے ان کے نرم ہونے کی شکایت کی جس پر جارج نے دوبارہ بنا کر دیے مگر گاہک مطمئن نہیں ہوا۔ ایسا دو سے تین بار ہوا جس پر غصے میں جارج نے آلو کو باریک باریک کاٹ کر فرائی کر دیا جس کا ذائقہ سب کو بہت پسند آیا اور اس طرح آلو کے چپس کی ایجاد ہوئی۔

۶۔ چاکلیٹ چپ کوکی:

امریکا کی ریاست میساچوسٹس کے ایک ریستوران میں ۱۹۳۰ء میں رتھ وک فیلڈ بسکٹ بنانے کی ڈیوٹی پر معمور تھیں اور ان کے بنائے ہوئے چاکلیٹ کوکیز بہت پسند کیے جاتے تھے۔ ایک دن کوکیز بناتے ہوئے انھیں پتا چلا کہ ان کے پاس چاکلیٹ ختم ہوگئی ہے۔ اس وقت انھوں نے بیکری میں موجود چاکلیٹ چھوٹے چھوٹے ٹکڑے کر کے آمیزے میں اس خیال کے ساتھ شامل کر دیا کہ یہ پگھل کر آمیزے کا حصہ بن جائیں گے اور کسی کو پتہ نہیں چلے گا مگر بسکٹ کی تیاری کے بعد بھی یہ اسی حالت میں رہے اور ان کا ذائقہ سب نے بہت پسند کیا، اس طرح چاکلیٹ چپ کوکیز کی ایجاد ہوئی۔

۷۔ اینٹی بائیوٹک ادویات:

اسکاٹ لینڈ سے تعلق رکھنے والے الیگزنڈر فلمنگ بیکٹیریا پر تجربات کر رہے تھے۔ ایک دن اس تجربے میں وہ اتنے محو ہوئے کہ ان کے کھانے کی پلیٹ پر پھپھوندی لگ گئی اور انھیں پتا نہیں چلا۔ تجربے کے دوران میں یہ پھپھوندی غلطی سے اس جگہ لگ گئی جہاں تجربات کے لیے بیکٹیریا موجود تھے۔ الیگزنڈر فلمنگ یہ دیکھ کر حیران رہ گئے کہ اس پھپھوندی نے ان تمام بیکٹیریا کا خاتمہ کر دیا۔ اس کے بعد انھوں نے اس کا تجربہ بار بار کیا اور اس طرح پنسلین نامی پہلی اینٹی باؤٹک دوا وجود میں آئی جو سبب بنی کروڑوں انسانی جانیں بچنے کا۔

☆☆☆

ہنسی کسے نہیں آتی مگر!

ڈاکٹر طاہر مسعود

''ہنسی کسے نہیں آتی اور کون ہے جو یہ دعویٰ کر سکے کہ اسے کبھی ہنسی نہیں آئی؟ یہ صحیح ہے کہ ہنسنے یا قہقہہ لگانے کے اپنے اپنے طریقے ہوتے ہیں۔ کچھ لوگ اس طرح ہنستے ہیں کہ انہیں ہنستے دیکھ کر ہنسی آ جاتی ہے۔ کچھ اس طرح ہنستے ہیں جیسے کسی پر احسان کر رہے ہوں۔ کچھ اس بے تحاشہ طریقے سے ہنستے ہیں جیسے ابھی ابھی لاٹری نکل آئی ہو، اور کچھ لوگوں کی ہنسی تو اتنی دل دوز ہوتی ہے کہ سوتے ہوئے بچے اٹھ کر رونے لگتے ہیں لیکن بہر حال ہنستے سبھی ہیں، کوئی کم اور کوئی زیادہ۔

ہنسنا ہنسانا انسانی جبلت ہے۔ اس سے خوشی کی دولت ہاتھ آتی ہے۔ ماحول خوشگوار ہوجاتا ہے، تعلقات میں گرم جوشی پیدا ہوتی ہے، اور بھی دیگر بہت سے فوائد ہیں۔ آپ نے غور کیا ہوگا کہ اگر کسی جگہ پر چند افراد جمع ہوں، ماحول سنجیدہ ہو، چہروں پر شگفتگی نہ ہو تو ایک گھٹن کی سی کیفیت پیدا ہوجاتی ہے، ذہن بوجھل ہوجاتا ہے اور اعصاب تھک جاتے ہیں لیکن یہی اصحاب جب آپس میں ہنسنے بولنے لگتے ہیں، فضا میں ہنسی گونجتی ہے تو ماحول یکا یک تبدیل ہوجاتا ہے۔ چہروں کا تناؤ دور ہوجاتا ہے اور جب 'محفل برخاست' ہوتی ہے تو ہر ایک ہشاش بشاش ہوتا ہے۔ بلاشبہ خوشی کا اظہار ایک بیش بہا دولت ہے۔

ہنسی انسان کی شخصیت کو پرکشش بناتی ہے۔ جن ہونٹوں پر ہر وقت تبسم کھلتا ہے، وہ چہرے نگاہوں کو بھی بھلے لگتے ہیں۔ ایسے خوش باش لوگ پسند کیے جاتے ہیں اور اُن کی کمی ہر جگہ محسوس کی جاتی ہے۔ اُس کے برعکس خشک مزاج اور چڑچڑے لوگوں کو کوئی بھی پسند نہیں کرتا۔ ان کی صحبت تکلیف دہ ہے اور ان کی شخصیت کو ''بور'' قرار دے کر رد کر دیا جاتا ہے، پس ہنسنا ہنسانا ایک خوشگوار عمل ہے اور ساتھ ہی مفید بھی۔

لیکن زندگی میں ایک سلیقہ اور شائستگی کی ضرورت ہمیشہ رہتی ہے۔ جس طرح اٹھنے بیٹھنے، چلنے پھرنے اور پہننے اوڑھنے غرض ہر ایک کام کے کچھ آداب اور طریقے مقرر ہیں اسی طرح ہنسنے ہنسانے کے لیے بھی موقع محل کا خیال رکھنا بے حد ضروری ہے۔ محض یہ سوچ کر کہ چونکہ ہنسنا ہنسانا اچھی بات ہے، ہر ایک سے بڑے چھوٹے کا لحاظ کیے بنا مذاق کرنا، ہر ایک کو چھیڑنا جملے کسنا ایک ایسی عادت ہے جو آدمی کو بہت جلد غیر مقبول بنا دیتی ہے۔ لوگ ایسے شخص کو غیر سنجیدہ بلکہ مسخرہ سمجھنے لگتے ہیں۔ اسے سنجیدہ محفلوں میں مدعو نہیں کیا جاتا اور نہ ہی اس کی باتوں کو خاطر خواہ اہمیت دی جاتی ہے۔

سو یاد رکھیے کہ ہنسنے ہنسانے اور ایک دوسرے سے مذاق کرنے کے بھی تقاضے اور آداب مقرر ہیں۔ ہر وقت کا ہنسی ٹھٹھول بے وقت کی راگنی ہوتی ہے جس سے نہ صرف ماحول پراگندہ ہوتا ہے بلکہ شخصیت کا وقار بھی مجروح ہوتا ہے۔ ان چیزوں کا خیال نہ رکھا جائے تو ہنسی مذاق تعلقات میں گرم جوشی پیدا کرنے کی بجائے تعلقات کو کشیدہ کرنے کا باعث بن جاتی ہے۔

آیئے اب اس پر غور کریں کہ ہم عموماً کن باتوں پر ہنستے ہیں؟

انسانوں سے چند اعمال اضطراری طور پر ایسے سرزد ہوجاتے ہیں جو بذات خود مضحکہ خیز ہوتے ہیں جس پر ہمیں ہنسی آ جاتی ہے۔ مثلاً کوئی اچانک یا عجلت میں الٹی قمیص پہن کر باہر نکل کھڑا ہوا۔ کوئی غائب دماغ شخص سر پر ٹوپی پہن کے گھر میں ٹوپی تلاش کرتا پھرے یا عینک آنکھوں پہ دھری ہو اور گھر بھر میں اس کی ڈھنڈیا مچی ہو، ان اضطرابی باتوں پر ہنسنا فطری سی بات ہے اور اس میں کوئی قباحت بھی نہیں لیکن عموماً دیکھا گیا ہے کہ دوستوں کی محفل میں دوسروں کی خامیوں، کوتاہیوں اور مجبوریوں کو موضوع بنا کر ہنسنے ہنسانے کی فضا گرم کی جاتی ہے۔ یہ صحیح ہے کہ ہنسی اصلاح کا زبردست ذریعہ ہے۔ ہم بہت سے احمقانہ کاموں سے اس لیے بھی بچتے ہیں کہ دوسروں کو ہنسنے کا موقع نہ ملے یا ہم اپنی کوتاہیوں کو عین عقل کے مطابق ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں تاکہ یہ کوتاہیاں اور غلطیاں مذاق کا نشانہ نہ بنائی جاسکیں لیکن دوسروں کی مجبوریوں یا حماقتوں کا اس طرح مذاق اڑانا کہ اُس میں دل آزاری کا پہلو نکلتا ہو کسی طور بھی مناسب نہیں۔

بہت سے نادان تو دوسروں کی رنگت اور ان کی شکل وصورت کا، ان کے لباس اور ان کے کسی غیر اختیاری عیب یا مجبوری کا مذاق اڑانے سے بھی نہیں چوکتے۔ نہ صرف ان کی موجودگی میں بلکہ ان کی غیر موجودگی میں بھی۔ اس سے زیادہ بری بات کوئی اور نہیں ہوسکتی۔ کیونکہ کسی کی مجبوری پر ہنسنا قدرت کو بھی سخت ناپسند ہے۔ کسی کا رنگ سیاہ ہو یا سفید، کسی کی ناک لمبی ہو یا چپٹی، کوئی لنگڑا کر چلتا ہو یا ہکلا کر بولتا ہو، کسی کو حق نہیں کہ وہ ایسی باتوں پر ہنسے۔

یہ بھی دیکھا گیا ہے کہ کسی ایک سیدھے سادے شخص کو بہت سے لوگ مل کر الو بناتے ہیں۔ اس کی سادگی اور معصومیت پر فقرے کستے ہیں اور اسے بیوقوف بنا کر اس طرح خوش ہوتے ہیں جیسے ہمالیہ کی چوٹی سر کر لی ہو۔ یہ نہایت غیر شریفانہ بات ہے۔ تعلیم ہمیں تہذیب وشائستگی کا درس دیتی ہے۔ یہ ہمیں احترامِ آدمیت سکھاتی ہے۔ کسی کی توہین وتضحیک سے خوش ہونا بیمار ذہنیت کی عکاسی کرتی ہے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ تعلیم نے تہذیب نہیں سکھائی بلکہ شخصیت کو اور مسخ کر کے رکھ دیا۔

اکثر نوجوان بڑے بوڑھوں سے بھی بذلہ سنجی کا مظاہرہ کرتے ہیں اور بدتمیزی کی حد تک بے تکلف ہونے کی کوشش کرتے ہیں۔ یاد رکھیے کہ ہنسی مذاق اپنے ہم عمروں ہی میں زیب دیتی ہے۔ عمر اور مرتبے کا لحاظ رکھنا اس لیے ضروری ہے کہ بزرگ عزت واحترام کے مستحق ہوتے ہیں۔ اُن کی موجودگی کی پروا کیے بغیر ہنسی ٹھٹھا کرنا خلافِ تہذیب بات ہے، خواہ ایسے بزرگ اجنبی ہی کیوں نہ ہوں۔

یہ بھی دیکھا گیا ہے کہ جب دوست احباب ایک جگہ اکٹھا ہو کر ہنسی مذاق کر رہے ہوں تو اس میں جملہ بازی اور فقرے بازی سے بڑھ کر جسمانی مذاق بھی شامل ہوجاتا ہے۔ کسی کو چپت لگادی، کسی پہ چھلکا اچھال دیا، کسی کے جوتے چھپا دیے یا کسی کا پرس اڑا لیا۔ اکثر اوقات اس قسم کا مذاق محض تفریحِ طبع کے لیے کیا جاتا ہے، لیکن بعض صورتوں میں یہ مذاق سنگین صورت اختیار کرجاتا ہے اور نوبت مار پیٹ تک آجاتی ہے اور یوں ایک غیر شائستہ مذاق قطع تعلقی کا باعث ہو کر ایک دوست دوسرے اچھے دوست سے ہمیشہ کے لیے محروم ہوجاتا ہے اور پھر اس صورت حال پر دوسروں کو ہنسنے کا موقع ملتا ہے۔

بلاشبہ ہنسنا ہنسانا ایک شگفتہ عمل ہے لیکن اس شگفتی میں شائستگی بھی ہونی چاہیے۔ اس طرح ہم اس کے فوائد حاصل کر سکتے ہیں اور تبھی کہہ سکتے ہیں کہ بے شک ہنسی علاجِ غم ہے۔

☆☆☆

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

☆ شمارہ ۱۰۹۷ کی دستک 'کیا یہ خیر خواہی ہے؟' میں ایک بہت اہم پہلو کی طرف اخلاقی آداب کو ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے توجہ مرکوز کروائی گئی۔ 'فراخی رزق کا ایک مجرب عمل' اَللّٰہُ لَطِیفٌ بِعِبَادِہٖ یَرْزُقُ مَنْ یَّشَآءُ ہمیں استاد جی حضرت مولانا زبیر احمد صاحب مدظلہ العالی نے درجہ رابعہ والے سال بتایا تھا۔ کچھ عرصہ معمول رہا، پھر چھوٹ گیا۔ اب جب کہ ہم الحمدللہ! درسِ نظامی کے آخری سال دورۂ حدیث شریف کے طالب علم ہیں تو بچوں کا اسلام کی وساطت سے یہ مجرب عمل مستحضر ہوگیا ہے۔ ان شاء اللہ از سرنو معمولات میں شامل کریں گے۔ سفیان اکرم گورمانی صاحب کا خط حساس کن تھا۔ اللہ پاک اُن کے لیے آسانیاں پیدا فرمائیں۔ آمین! شمارہ ۱۰۹۸ میں 'ایمانی خوشی' رسالے کی مقصدیت اور لکھاریوں کے خلوص کی عکاس تھی۔ 'ناک' سائنسی معلوماتی مضمون تھا۔ 'ان کے کوچے میں' اور 'میر حجاز' ابو بہت شوق سے پڑھتے ہیں۔ 'عجیب و دلچسپ پوزیشن' حیران کن اور بہت معلوماتی تھی۔ باقی آمنے سامنے کی محفل سے لطف اندوز ہونا تو اپنا ذوق ٹھہرا۔ (حافظ محمد عثمان علی۔ سرگودھا)

ج: ابوجان کو ہمارا سلام عرض کرکے ان سے دعا کی درخواست کردیجیے گا۔ ان کے کوچے میں تو مکمل ہوا، میر حجاز کو بھی سو اقساط میں مکمل کرنے کا ارادہ ہے۔ اس کے بعد کتابی صورت میں یہ دونوں سلسلے آئیں گے ان شاء اللہ تعالیٰ۔

☆ ایک تصوراتی سفر کی روداد پیش کرتی دستک میں مدیر مکرم ڈیرہ اسماعیل خان کی باغ و بہار شخصیت حافظ صاحب کے پاس پہنچ چکے ہیں۔ کیا شاندار روداد تھی۔ اگلے صفحے پر ہزار ہفتوں کے بہنا اور بھیا الف نمبر خواتین و بچوں کا اسلام پر دلچسپ تحریر ہے۔ مسکراہٹ کے پھول بھی ابتدائی صفحات پر جلوہ گر ہیں۔ علی اکمل تصور صاحب شاندار کہانی لے کر حاضر ہوئے۔ ان پڑھ طلبہ کو ادیب علی کراچی سے پڑھا رہے تھے۔ ویسے آپس کی بات ہے ایک ادیب علی جھنگ سے بھی ہوا کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرمائے، آمین۔

(محمد اقراش عاصم۔ میلی پیر بخش۔ خوشاب)

ج: آمین ثم آمین۔ مگر آپ کو کوئی غلط فہمی ہوئی ہے۔ ادیب علی اشتیاق صاحب رحمہ اللہ کا نہیں بلکہ مولانا فیصل حیات کا قلمی نام ہے جو (ف۔ح کراچی) کے نام سے بھی لکھتے رہے ہیں۔

☆ نام تو بچوں کا اسلام ہے لیکن میں ۶۶ سالہ بڑھیا بھی بڑے شوق سے پڑھتی ہوں۔ بہت اچھا رسالہ ہے، اللہ اسے اور ترقی دے آمین۔ ایک درخواست ہے کہ 'میر حجاز' کے صفحات بڑھا دیں۔ تشنگی رہتی ہے۔ باقی مضامین پر اگلی نشست میں تبصرہ کروں گی ان شاء اللہ!

(سعیدہ جاوید۔ لاہور)

ج: اللہ جل شانہ آپ کا سایہ تا دیر آپ کے پیاروں کے سر پر رکھے، آپ سے راضی ہوجائے اور دونوں جہاں میں عافیت وراحت والی زندگی عطا فرمائے، آمین! بہت خوشی ہوتی ہے جب بزرگ شفقت فرماتے ہوئے خط لکھتے ہیں۔ میر حجاز کی بابت تو فیصلہ یہ کیا ہے کہ سو اقساط پر اسے مکمل کردیا جائے۔ یہ بچوں کا اسلام کا سب سے طویل ترین اور مقبول سلسلہ رہا۔ اسے ان شاء اللہ اسی برس کتابی صورت میں شائع کریں گے، تب آپ کو بھیجیں گے۔

☆ مدیر انکل! کافی دنوں بعد خط لکھ رہا ہوں اور ایک کہانی بھیج رہا ہوں۔ مدیر انکل کیا یہ کہانی قابل اشاعت ہے؟ امید ہے دل نہیں ٹوٹے گا۔ (توحید الرحمن۔ پھلروان)

ج: دل اتنی سی باتوں پر توڑ دینے کے لیے نہیں بنایا گیا بھتیجے! اسے مضبوط بنائیے۔ ویسے ہم دیکھتے ہیں تحریر۔

☆ ایک ساتھ دو رسالے پڑھنا اور ان پر ایک ساتھ تبصرہ کرنا بہت ہی دلچسپ ہے۔ مدیر محترم کا تصوراتی سفر بہت ہی لطف دے گیا۔ دل کرتا ہے ہمارے چاچو اس طرح کے سفرنامے لکھتے رہیں اور سب کو خوش کرکے دعائیں لیتے رہیں لیکن چاچو آپ نے لگتا ہے خط لکھنے والے قارئین کو اور ان کے شہروں کو حذف کردیا وجہ؟ جویریہ فاروقی نے بہن اور بھیا کا بہت ساتھ نبھوایا۔ ایک کہانی بڑی نرالی بہت ہی تجسس کے ساتھ اختتام پذیر ہوگئی۔ زندہ پہیلی نے ورطۂ حیرت میں ڈال دیا۔ (خدیجۃ الکبریٰ بنت مولانا امتیاز فاروقی۔ رسول پور)

ج: نہیں جی ہم نے تو سوچ سوچ کر جتنے قارئین یاد آئے سب کو کسی نہ کسی طرح شامل رکھا۔ باقی سب کی شمولیت تو ناممکن تھی، اس لیے رہ جانے والے بہت پیارے قارئین سے بعد میں معذرت بھی کرلی تھی۔

☆ یہ تو آپ کو پتا ہی ہے کہ میں مدتوں سے آپ کے ننھے منے رسالے کا قاری ہوں مگر مجھے لگتا ہے میرے ننھے منے دن بدن نکھرتے جارہے ہیں۔ میر حجاز ایک انمول سلسلہ ہے۔ اسے ضرور کتابی شکل دیجیے تو جب کتاب چھپے گی تو سب سے پہلا خریدار میں بنوں گا۔ آپ کتنے پانی میں ہیں؟ ایک دلچسپ اور معلوماتی سلسلہ ہے۔ کبھی تو ہم پانی سے تیر کے نکل آتے ہیں، کبھی پانی میں ڈوب بھی جاتے ہیں۔ حجا ایک خوب صورت کردار ہے۔ لیکن اکثر حجا غلط لکھا ہوتا ہے جحا ہوتا ہے نقطہ ح کے نیچے ہوتا ہے اس پر توجہ دیں حجا کو جحا نہ بنا دیا کریں۔

(محمد ثوبان ارشد بھٹی۔ مظفر گڑھ)

ج: مگر ثوبان بھائی! جحا نامی مشہور کردار جیم ہی سے جحا (Juha) ہے۔ آپ کو غلط فہمی ہوئی ہوگی۔ باقی آپ کی تیراکی اور ڈوب جانے کا پڑھ کر لطف آیا۔ ڈوبتا بھی وہی ہے جو تیراکی کرتا ہے۔ پڑھا ہی ہوگا آپ نے کہ گرتے ہیں شہ سوار ہی میدان میں!

☆ شمارہ ۱۰۹۸ میں رفعت سعدی کی تحریر 'تمھیں وقت سکھائے گا' بہت اچھی لگی۔ 'ان کے کوچے میں' محمد فضیل فاروق کا اندازِ تحریر بہت اچھا لگتا ہے۔ تصور کروں تو یوں لگتا ہے وہ سب اپنی آنکھوں سے دیکھ رہی ہوں۔ شمارہ ۱۰۹۹ کا سرورق اتنا اچھا لگا کہ میں نے تصویر بنا کر اپنے موبائل کے وال پیپر پر لگادی۔ بہت حسین منظر تھا۔ 'اعتراف' تحریر بہت پسند آئی واللہ! سچ میں ہمیں وقت گزر جانے سے پہلے پہلے اعتراف کرلینا چاہیے۔ 'کالے کمبل کی کہانی' بہترین رہی۔ آج کل میری طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔ سب قارئین سے خصوصی دعاؤں کی درخواست ہے۔

(بنت شبیر احمد۔ وہاڑی)

ج: ویسے غالب امکان ہے کہ اب تک آپ شفایاب ہوچکی ہوں گی، لیکن دعا میں کیا حرج ہے سو اللہ جل شانہ آپ کو ہر طرح کی بدنی، ذہنی، روحانی ایمانی مکمل صحت عافیت کے ساتھ عطا فرمائے، آمین!

☆ مدیر چاچو! ابھی تصوراتی سفر کے مزے لے رہے تھے کہ اس بار آپ نے بہت فائدہ مند بات بتائی جزاک اللہ۔ ''ان کے کوچے میں'' سفرنامہ مقدس زمانے کی سیر کرواتا بہت کچھ دے جاتا ہے۔ نعت میرے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا حفیظ تائب کی شاندار تھی۔ میر حجاز کی تو تعریف کے لیے الفاظ نہیں، ہر دفعہ آنکھوں کو تر کرتا دل کو منور کرتا ہے۔ اب تو ماشاءاللہ مسکراہٹ کے پھول بھی تسلسل سے نظر آرہے ہیں۔ بہن کا خط دیکھ کر قلم اٹھانے کا ارادہ کیا ورنہ نظریہ بن چکا تھا کہ شاید میرے اندر صلاحیت نہیں پورا شمارہ ہر لحاظ سے بہترین تھا۔ (منیبہ بنت محمد الیاس)

ج: ہمارے بچے اتنی جلدی ہمت کیوں ہار جاتے ہیں؟ بھئی ہمت مرداں ہی نہیں ہمت زناناں کے ساتھ بھی خدا کی مدد ہوتی ہے۔ بچوں کا اسلام میں خطوط اتنے ہوتے ہیں کہ باری آتے آتے کبھی تین چار ماہ بھی لگ جاتے ہیں۔

☆ شمارہ ۱۰۹۷ بھی ہر شمارے کی طرح زبردست ہوتا تھا۔ دستک بہت اچھی لگی۔ آپ

کی بات پر عمل کرنے کا عزم کرلیا۔ بنت شکیل اختر کی کہانی پھلوں کے نرغے میں بہت اچھی لگی۔ مختصر پر اثر میں ہمسائیگی بہت پسند آیا۔ اَن پڑھ طلبہ بھی بہت کچھ سوچنے پر مجبور کردینے والی کہانی تھی۔ بہت دعائیں آپ کے لیے۔ (جویریہ طارق۔ کبیروالا)

ج: وہ سب دعائیں آپ کے لیے بھی۔ اللہ خوش رکھے، آمین!

☆ شمارہ ۱۱۰۱ کا سرورق دیدہ زیب تھا۔ دستک 'ایک عظیم نعمت' پڑھ کر ہم نے بھی باری تعالیٰ کا شکر ادا کیا۔ بے شک پیارے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے امتی ہونے سے بڑھ کر اور ہے بھی کیا۔ کاوش صدیقی صاحب کی 'وہ تو پیار کرتے ہیں' نے دل پر اثر کیا۔ ربیع الاول کا خاص الخاص شمارہ واقعی بہت خاص تھا۔ ہر تحریر ایک سے بڑھ کر ایک تھی۔ 'درود وسلام' والا سلسلہ تو ہمیں بہت پسند آیا ہم نے فوراً یاد بھی کرلیا، لیکن اگلے شمارے میں تو یہ تھا ہی نہیں۔ شمارہ ۱۱۰۲ میں 'دو کام کرلو' میں بنت شبیر احمد بہت فائدے کی بات بتاتی نظر آئی۔ 'ان کے کوچے میں' اور 'میر حجاز' بہت خوب صورتی سے آگے بڑھ رہے ہیں۔ بچوں کا اسلام ماشاء اللہ بہت زبردست جا رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ نظر بد سے محفوظ فرمائے اور ترقیاں نصیب فرمائے، آمین۔ (سارہ عبدالرحیم۔ فیروزہ)

ج: آمین وایاک۔ ویسے تو سلسلوں کا ناغہ نہیں ہوتا، کبھی کبھار کوئی مجبوری آن پڑتی ہے۔

☆ شمارہ ۱۱۰۵ 'میں کچھ نہیں بھولتا' بولنے والا یہ شخص سب سے اہم، ضروری چیز ہی تو 'بھلا' بیٹھا۔ غیر معمولی یادداشت پھر کسی کام نہ آئی۔ 'موچی بن گیا کھوجی' بھی کیا کمال کہانی رہی۔ اپنی طاقت وربیگم کے سامنے جس کی ایک نہ چلی اس نے دو 'شاہی کام' منٹوں میں نبٹا لیے۔ 'محبت کا سلیقہ' دادا جی کی خوب صورت کاوش۔ بلاشبہ یہ اتباعِ سنت ہی کی برکت تھی کہ آپ کی قیمتی عینک ہر شر والی آنکھ اور ہاتھ سے محفوظ رہی۔ 'میر حجاز' چھلکتے آنسوؤں کے ساتھ دو نشستوں میں مکمل کی۔ 'چشتیاں شریف' کا تعارف پڑھا تو اپنا بھیجا گیا 'پنڈی گھیب' کا تعارفی مضمون بے طرح یاد آیا جو نجانے کہاں لاپتا ہو گیا۔ 'آمنے سامنے' میں خطوط کی دنیا کے رنگ بھی نرالے ہیں۔ 'غیر حاضر دماغ نمائندہ' حاضر ہو، اس سے قبل کہ 'آمنے سامنے' کی محفل آپ کو محفل کم اور 'اپوزیشن' زیادہ نظر آئے۔ (اقرأ فرید۔ پنڈی گھیب، ضلع اٹک)

ج: اللہ نہ کرے آپ کا پنڈی گھیب غائب ہو، دبکا پڑا ہوگا کسی فائل میں، ڈھونڈتے ہیں۔

☆ بچوں کا اسلام کے اَلِف نمبر کو دو سال پورے ہو گئے ہیں مگر ابھی تک اگلے سالنامے کا اعلان نہیں ہوا۔ محترمہ رفعت سعدی کا 'فیصلہ تقدیر' بہت اچھی، قوت عمل پیدا کرنے والی، دل گداز تحریر تھی۔ مصنفہ کی دیگر تحاریر کی طرح یہ تحریر بھی بہت خاص لگی۔ پھولوں کا ہار بہت اچھی تحریر تھی، پھل آگروی صاحب بھی اچھے لگے۔ پروفیسر صاحب نے پھلوں کے فوائد کی طرف خوب صورت انداز میں توجہ دلائی لیکن پھلوں کی قیمتوں کو بھی تو پر لگ گئے ہیں۔ تراویح کے حوالے سے لکھی گئی دونوں دستک اچھی لگیں۔ 'ماجرا کیا ہے' نے بہت ہنسایا۔ تصویر نے مضمون کی تاثیر کو دوآتشہ کر دیا۔ نیوز چینل بہت اچھا شگفتہ مزاح لکھتے ہیں ماشاء اللہ محمد شاہد فاروق صاحب۔ ماموں مہربان کی آمد، زہے نصیب، ہمیں تو عرصے سے خالو خیر خواہ کا انتظار تھا، ویسے ماموں کے لفظ میں زیادہ اپنائیت ہے۔ 'چاند میاں' کے 'سبق' کے تو کیا کہنے۔ چاند میاں کی ہر کہانی میں ایک مثالی گھرانا، محبت کرنے والی ماں، مہربان و مشفق باپ، ہمدرد بہن بھائی، بہت شگفتہ و برجستہ جملے، بہترین مزاح اور بھرپور دینی و دنیوی اسباق موجود ہوتے ہیں ماشاء اللہ، اللھم زد فزد۔ اسلم بیگ صاحب کی 'سرگوشیاں' واقعی آخری سرگوشی روح کو سرشار کرنے والی ہے۔ شیطان کی محنت اپنی جگہ ہمہ جہت ہے لیکن توبہ وتضرع سے اس کو ناکوں چنے چبوانے والے جوانوں کی بھی کمی نہیں۔ میرا سوہنا شہر کے سلسلے میں سب سے اچھا مضمون حافظ عبدالرزاق صاحب کا 'پھلاں دا سہرا' ہے۔ یہ شہر تو خوب صورت ہے ہی، لیکن جس خوب صورتی سے اس کا نقشہ کھینچا گیا وہ خوب تر ہے۔ حافظ صاحب سے بھی ملاقات کی خواہش ہے اللہ پاک بعافیت وآزادی جلا ملائیں۔ آمین، ان کا شہر، ہمارا خوب دیکھا بھالا ہے ویسے بھی ہمارے پڑوس ہی میں ہے۔ وہاں کا خاص سوہن حلوہ اب بھی کبھی کبھار یہاں آجاتا ہے۔

(ابوالحسن۔ سینٹرل جیل، کراچی)

ج: سالناموں اور خاص نمبر کے دن تو ابوالحسن بھائی لگتا ہے اب گزر گئے۔ کاغذ نہایت مہنگا، طباعت اس سے بھی مہنگی، ایسے میں ادارہ کسی خاص نمبر کا بوجھ اٹھا نہیں پا رہا، حتیٰ کہ پچھلے شمارے سے آپ کو معلوم ہو ہی گیا ہوگا کہ دو شہروں کے دفاتر بھی بیس سال بعد بند کرنے پڑے ہیں۔ خیر ہونے کو کیا نہیں ہو سکتا اگر اللہ میاں چاہ لیں تو، سو دعا کی بہت درخواست ہے کہ اِن دنوں آپ کی دعائیں قبول ہونے کے بہت قریب ہیں۔

اچھا آپ کے "ایک اور" خط کا جواب بھی یہیں دے دیتے ہیں۔ آپ کی کتابیں آچکی ہیں لیکن ایک تو جس بھائی کے ہاتھوں ہم بھجواتے ہیں، وہ چلے کی جماعت میں تشریف لے گئے ہیں، دوسرے پھر وہ جس وسیلے سے آپ تک پہنچاتے تھے، سنا ہے وہ واسطہ بھی اب نہیں رہا۔ اب براہِ کرم اگلے خط میں گھر کا پتا لکھیے گا تاکہ ہم اہل خانہ کو آپ کی امانت بھجوا کر سبک دوش ہو سکیں۔ جہاں تک آپ کی تحریروں کی بات ہے تو قریب سبھی قابل اشاعت ہوتی ہیں ماشاء اللہ! مختصر تحریریں تو لگتی رہتی ہیں، سفرنامہ چونکہ قسط وار ہے، اس لیے بے چارا قطار میں کھڑا اپنی باری کا انتظار کر رہا ہے۔ اس سے آگے کئی سلسلے دو تین برس سے قطار میں کھڑے ہیں۔ انسپکٹر جمشید سیریز جو آج کل شائع ہو رہی ہے، یہ بھی الف نمبر سے پہلے آچکا تھا۔

☆☆☆

اُونٹ رے اُونٹ!

۱۰

اشتیاق احمد

"ارے میں مرا۔"

"یہ تم کیا کر رہے ہو؟ چھوڑ دو ان کی گردن۔" آفیسر نے غرا کر کہا۔

"آواز نہ نکالو آفیسر! اپنے ساتھی سے یہ پوچھ لو کہ اگر میرے جسم میں کوئی ذرا سی بھی حرکت ہوئی تو اس کی گردن ٹوٹ جائے گی یا نہیں؟"

انسپکٹر جمشید کی سرد آواز نے ان کے اوسان خطا کر دیے۔ آفیسر نے ماتحت کی طرف دیکھا اور اس کی آنکھوں میں دیکھ کر ہی جان گیا کہ انسپکٹر جمشید ٹھیک کہہ رہے ہیں۔

"تمھیں اس حرکت سے کوئی فائدہ نہیں ہو گا۔" آخر اس نے تھکی تھکی آواز میں کہا۔

"تم بے وقوف ہو، میرے ساتھیوں کی ہتھکڑیاں فوراً کھول دو، ورنہ میں اس کی گردن توڑ دوں گا۔"

"توڑ دو...... یہ نہیں ہو گا۔"

انسپکٹر جمشید نے ایک جھٹکا اس کی گردن پر دیا اور پھر اس کا جسم آفیسر کی طرف اچھال دیا۔

اس کے بعد تو ان کے ہاتھ پیر اس قدر تیزی سے چلے کہ چند سیکنڈ میں میدان ان کے ہاتھ میں تھا۔ اب انھوں نے آفیسر کو حکم دیا کہ ہتھکڑیاں کھول دے۔ اس نے سب کی ہتھکڑیاں کھول دیں۔

"ڈرائیور سے کہو گاڑی شہر سے باہر لے چلے، ہمیں گاڑی میں کچھ کام کرنا ہے۔"

اس نے ڈرائیور کو ہدایات دیں، جلد ہی وہ شہر سے باہر تھے۔ وہاں انھوں نے آفیسر کے چہرے پر اپنا میک اپ کیا اور خود اپنے چہرے پر اس کا میک اپ کیا۔ باقی لوگوں کو جوں کا توں رہنے دیا گیا۔

"انسپکٹر! اب تم میرے میک اپ میں صدر صاحب کے سامنے جاؤ گے۔"

"اس سے کیا ہو گا...... میں انھیں فوراً بتا دوں گا کہ میں کون ہوں اور یہ کون ہیں؟" اس نے حیران ہو کر کہا۔

انسپکٹر جمشید بھرپور انداز میں مسکرائے پھر بولے: "ابھی تم مجھے نہیں جانتے انسپکٹر۔ تم صدر کو یہ نہیں بتا سکو گے کہ تم کون ہو۔"

"یہ کیسے ہو سکتا ہے؟"

"بس دیکھتے جاؤ۔"

اب انھوں نے اُس سے وائرلیس سیٹ لے کر اپنے ساتھیوں کی فری کوئنسی ملائی، جلد ہی ان کی طرف سے جواب ملا۔

"آپ کا نام انسپکٹر روگی ہے نا۔"

وہ اس کی طرف مڑے۔

"ہاں! یہی نام ہے۔"

"تم چاروں انسپکٹر روگی کے بارے میں کیا جانتے ہو؟"

"سب کچھ...... اس کی ایک بیوی اور تین بچے ماڈل روڈ نمبر ۹۱ پر رہتے ہیں۔"

"ٹھیک ہے، تم وہاں کتنی دیر میں پہنچ سکتے ہو؟"

"صرف دس منٹ میں۔"

"دس منٹ بعد انسپکٹر کے بچوں کی بات اس سے کراؤ۔"

"نن...... نہیں۔" انسپکٹر فوراً سمجھ گیا کہ وہ کیا کرنا چاہتے ہیں۔

"بہت جلد گھبرا گئے، ذرا صبر کرو۔" دس منٹ بعد وائرلیس پر اشارہ موصول ہوا اور انسپکٹر کے بچوں کی آوازیں سنائی دینے لگیں۔

"بب بیٹے جمی! تم کس حال میں ہو۔" انسپکٹر چلایا۔

"ہم ان کے قبضے میں ہیں ابو!"

جمی نے روتے ہوئے کہا۔

"اُف...... یہ تم لوگ کیا کر رہے ہو؟"

"اب تم صدر کے سامنے زبان بند رکھنا، ورنہ تم اپنے گھر والوں کو زندہ نہیں پاؤ گے، اب ڈرائیور کو ہدایات دو۔"

اس نے ڈرائیور سے بات کرنے والا مائیک اٹھایا اور اسے ہدایات دیں۔

ڈرائیور کو کچھ معلوم نہیں تھا کہ اندر کیبن میں کیا ہو رہا ہے۔ تھوڑی دیر بعد وہ ایوانِ صدر میں صدر صاحب کے سامنے موجود تھے۔

"تو یہ ہیں انسپکٹر جمشید! بڑا نام سنا تھا ان کا لیکن ہم نے انھیں چوہے کی طرح پکڑ لیا۔ انسپکٹر جمشید! فائل K-91 کے بارے میں تم لوگوں کو کیسے پتا چلا۔"

انسپکٹر نے گھبرا کر انسپکٹر جمشید کی طرف دیکھا۔

"سر! انھیں بجلی کے جھٹکے دیئے گئے ہیں ناں۔ ان کی دماغی حالت ٹھیک نہیں ہے، لیکن میں نے اس غدار کا سراغ لگا لیا ہے۔ آپ پسند کریں تو میں آپ کو وہاں لے جا سکتا ہوں لیکن اگر آپ نے اسے گرفتار کرنے کے احکامات دیے تو پھر وہ ہاتھ نہیں آئے گا اس پر ہاتھ ڈالنے کا دوسرا طریقہ یہ ہے کہ آپ نہایت خاموشی سے میرے ساتھ چلیں۔"

"ٹھیک ہے، ایک غدار کو پکڑنے کے لیے اگر مجھے جانا پڑے گا تو میں ضرور جاؤں گا۔ چلو میں اسی وقت تیار ہوں۔"

"لیکن ان لوگوں کو بھی ساتھ لے جانا ہو گا، ورنہ وہ قابو میں نہیں آئے گا۔"

"یہ کیا بات ہوئی۔"

"ساری بات تو میں آپ کو وہیں چل کر بتا سکتا ہوں۔"

"اچھی بات ہے۔"

اور آخر وہ ایوان صدر سے باہر آ گئے۔

صدر صاحب اپنی گاڑی میں بیٹھے۔

انسپکٹر جمشید نے دوسری گاڑی کی ڈرائیونگ سیٹ سنبھالی۔ صدر نے صرف اپنے ڈرائیور کو ساتھ لیا تھا۔ وہ نامعلوم منزل کی طرف روانہ ہو گئے۔

جلد ہی وہ ماڈل روڈ نمبر ۹۱ میں داخل ہوئے۔

وہاں ان کے چاروں ماتحت موجود تھے اور انسپکٹر کے بیوی بچے بندھے ہوئے تھے۔

"یہ...... یہ...... یہ کیا؟" صدر نے بوکھلا کر کہا۔

انسپکٹر جمشید نے اپنے ماتحتوں کو اشارہ کیا۔

انھوں نے صدر کو باندھ دیا۔

انسپکٹر جمشید کے میک اپ میں پولیس انسپکٹر روگی کو بھی باندھ دیا۔

"یہ کیا ہو رہا ہے؟ تم اپنے ساتھی انسپکٹر جمشید کو بھی باندھ رہے ہو۔"

صدر نے حیران ہو کر کہا۔

"یہ انسپکٹر جمشید نہیں، انسپکٹر روگی ہے۔ انسپکٹر جمشید میں ہوں۔"

"کیا؟!" صدر صاحب پوری قوت سے چلائے۔

اُن کی آنکھیں خوف کی وجہ سے پوری طرح پھیل گئیں۔ "اف...... یہ کیا ہو رہا ہے!"

"اب آپ اپنے وزیر خارجہ کو حکم دیں کہ وہ فائل K-91 لے کر فوراً اس عمارت میں آ جائے اور اس قدر خاموشی سے کہ ان کے علاوہ کسی کو کانوں کان خبر نہ ہو۔"

(جاری ہے)